تصوف اور سیاست

(طبعِ جدید، مع اضافۂ مفید)

تحریر

مولانا یٰسٓ اختر مصباحی
بانی وصدر دارُالقلم، ذاکر نگر، نئی دہلی ۲۵

پیش کش

لِمُرا فاؤنڈیشن
شاہین باغ، نئی دہلی ۲۵
E-mail:-limrafoundationdelhi@gmail.com
Contact no:- 09999734908

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيمِ

نامِ کتاب	:	تصوف اور سیاست
مؤلّف	:	یٰسٓ اختر مصباحی
ای میل	:	misbahi786.mk@gmail.com
طبعِ اول	:	جمادیٰ الاولیٰ ۱۴۳۷ھ / مارچ ۲۰۱۶ء
طبعِ دوم	:	شعبان ۱۴۳۷ھ / مئی ۲۰۱۶ء
طابع وناشر	:	لِمُرا فاؤنڈیشن، شاہین باغ، نئی دہلی
طبعِ سوم	:	شعبان ۱۴۳۷ھ / مئی ۲۰۱۶ء
طابع وناشر	:	دارُالاسلام، گنج بخش روڈ، لاہور
		darulislam21@yahoo.com
صفحات	:	ایک سو چوالیس (۱۴۴)
تعداد	:	گیارہ سو (1100)
ہدیہ	:	دعاے خیر، بحقِ ارکان ومعاونین ومخلصین

پیش کش

لِمُرا فاؤنڈیشن، شاہین باغ، نئی دہلی ۲۵
E-mail:-limrafoundationdelhi@gmail.com
Contact no:- 09999734908

انتساب، بنام

ہادیان ورہنمایانِ شاہراہِ سَوادِ اعظم اہلِ سنّت وجماعت

ونمائندگانِ سَوادِ اعظمِ مومنین ومسلمین

(۱) بَرکۃُ اللّٰہِ فِی الْہند، اِمامُ المحدِّثین، عاشقُ الرسول، شیخُ الْہند
شاہ عبدالحق، حنفی، قادری، محدِّث دہلوی (وصال ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء)

(۲) امامِ رَبّانی، مجدِّدِ الفِ ثانی، شیخ احمد، فاروقی، نقشبندی، سرہندی (وصال ۱۰۳۴/۱۶۲۴ء)

(۳) شمسُ العارفین، سید شاہ آلِ احمد، اچھے میاں، قادری برکاتی، مارہروی (وصال ۱۲۳۵ھ/۱۸۲۰ء)

(۴) سراجُ الہند، استاذُ المحدِّثین، شاہ عبدالعزیز، محدِّث دہلوی (وصال ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء)

(۵) بحرالعلوم، شہزادۂ ''بانیِ درسِ نظامی''، علاّمہ عبدالعلی محمد، فرنگی محلی لکھنوی (وصال ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء)

(۶) سیفُ اللہِ الْمسلُول، علاّمہ فضلِ رسول، عثمانی، قادری، بدایونی (وصال ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء)

(۷) امامُ الحکمۃ والکلام، قائدِ جنگِ آزادی، علاّمہ فضلِ حق، خیرآبادی (وصال ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء)

(۸) خاتم الاکابر، سید شاہ آلِ رسول، احمدی، قادری برکاتی، مارہروی (وصال ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء)

(۹) محبِّ رسول، تاجُ الفحول، مولانا شاہ عبدالقادر، عثمانی، قادری، بدایونی (وصال ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء)

(۱۰) ابوحنیفۂ ہند، امامِ اہلِ سنّت، مولانا الشاہ محمد احمد رضا، حنفی، قادری برکاتی، بریلوی
(وصال ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء)

وَ غَیرُھُم۔ رَضِیَ اللّٰہُ تعالیٰ عَنھُم وَ اَرضَاھُم عَنَّا۔

☆☆☆

اِن کا سایہ، اِک تجلّی، اِن کا نقشِ پا، چراغ
یہ، جدھر گذرے، اُدھر ہی، روشنی ہوتی گئی

عقیدت کیش ونیازمند
یٰسٓ اختر مصباحی

تہدیہ، بخدمت

بانیان ومُربّیان ومُحسنینِ اشرفیہ، مبارک پور

(۱) شیخُ المشائخ، سید شاہ، علی حسین، اشرفی، کچھوچھوی (وصال ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء)

(۲) صدرُ الشریعہ، بدرُ الطّریقہ، مولانا الشاہ مفتی، محمد امجد علی، رضوی، اعظمی
(وصال ذوالحجہ ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء)

(۳) محدِّثِ اعظمِ ہند، مولانا سید شاہ، محمد محدِّث اشرفی، کچھوچھوی
(وصال رجب ۱۳۸۱ھ/دسمبر ۱۹۶۱ء)

(۴) مُرشدِ گرامی، مفتیِ اعظمِ ہند، مولانا الشاہ، محمد مصطفیٰ رضا، نوری، بریلوی
(وصال محرمُ الحرام ۱۴۰۲/۱۹۸۱ء)

(۵) استاذِ گرامی، حافظِ مِلّت، مولانا الشاہ، عبدالعزیز، مرادآبادی، محدِّث مبارک پوری
(وصال ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء)

اور ماضی قریب کے مُحسنینِ اشرفیہ، مبارک پور

(۶) سیدُ العلما، سید شاہ، آلِ مصطفیٰ، قادری برکاتی، مارہروی (وصال ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء)

(۷) اَحسنُ العلما، سید شاہ، حیدرحسن، قادری برکاتی، مارہروی (وصال ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵ء)

وَغَیرُھُم۔ رَحمَۃُ اللّٰہِ تَعالیٰ عَلَیھِم اَجمَعِین۔

☆☆☆

اگر، سیاہ دِلَم، داغِ لالہ زارِ تُو اَم
وگر، کشادہ جبینَم، گُلِ بہارِ تُو اَم

عقیدت کیش ونیازمند
یٰسٓ اختر مصباحی

پیشِ لفظ

دنیا کے مختلف حصوں میں دہشت گردی کا دَور دَورہ ہے۔جس کے شکار بے شمار انسان، مختلف شکلوں میں، ہو چکے ہیں۔اور:

اب بھی، طرح طرح کے خطرات، ان کے سروں پر، منڈلا رہے ہیں۔

یہ دہشت گردی، کہیں انسانیت کے خلاف، کہیں اسلام کے خلاف، اور کہیں مسلمانوں کے خلاف ہو رہی ہے۔اور صرف مسلمانوں کے خلاف نہیں، بلکہ دوسری قومیں بھی، دہشت گردی کا عذاب، جھیل رہی ہیں۔اور ایسا بھی ہو رہا ہے کہ:

دہشت گردی مخالف مُہم، چلا کر، بے قصور انسانوں پر، جھوٹے الزامات لگا کر، انھیں، جیلوں میں، بند کر دیا جا رہا ہے اور ایک مدت کے بعد، کورٹ، **انھیں، باعزت، بَری کر دیتی ہے۔**

میڈیا کا ایک طبقہ، ایسا بھی ہے، جو، اپنے فرقہ پرستانہ رَوَیّہ اور تجارتی مفاد کے تحت، خبریں اُچھال کر، جذباتی ماحول، بنا دیتا ہے اور صحیح حقائق کو چھپا کر، بے قصور انسانوں کی عزت وآبرو، **اور، ان کی زندگی سے کھلواڑ کرتا رہا ہے۔**

اسلام، امن وسلامتی کا مذہب ہے۔جو، انسانیت کا احترام، سکھاتا ہے۔اس سے وابستہ، صوفیہ ومشائخ، اپنے اخلاق وکردار سے لوگوں کو قریب کرتے اور انھیں انسانیت کا درس دیتے، رہے ہیں۔

تصوف کی صحیح تعلیمات، اگر عام کر دی جائیں اور لوگ اس کی تعلیمات پر عمل کرنے لگیں تو، **بہت ساری مصیبتوں اور دہشت گردیوں کا خاتمہ ہو جائے۔**

سَوادِ اعظم اہلِ سنّت وجماعت کے ہر ادارہ وخانقاہ اور تنظیم وجماعت کے ساتھ ہر حال میں، ہمیں، تعاون وہم دردی کے جذبۂ خیر کے ساتھ، مناسب حُسنِ ظن سے کام لینا چاہیے **اور اپنی دعاے خیر میں، انھیں، یاد، رکھنا چاہیے۔**

کوئی تنظیم، مسلم مسائل کے حَل کے لئے کسی بھی مناسب انداز میں کوشاں ہے تو، اسے، ایسا کرنا ہی چاہیے۔اسی طرح، کسی وفد کے ساتھ، وزیر اعظم، وزیر اعلیٰ، وغیرہ سے ملاقات وگفتگو کرتی ہے، تو، یہ بھی، رائج ومعمول بات ہے۔

اپنی شناخت کے ساتھ، کوئی تنظیم، یا کوئی باشعور مسلمان، اگر، براہِ راست، سیاست کرتا ہے تو

یہ بھی آج کی ضرورت کے عین مطابق ہے۔

کس سیاسی پارٹی سے اس کا تعلق اور اس کی وابستگی ہے؟ یہ اس کی صواب دید پر، مُنحصر ہے۔ البتہ، کسی، ایسی پارٹی سے ہرگز، وابستگی نہیں ہونی چاہیے، جو، آر، ایس، ایس نظریات کی حامل ہو۔

میری تحریک پر، ''لُمرَ افاؤنڈیشن'' کی طرف سے ہونے والی ''دہشت گردی مخالف کانفرنس'' بتاریخ ۱۹/اپریل ۲۰۱۵ء۔بمقام ماوَلنکر ہال، کانسٹی ٹیوشن کلب، رفیع مارگ، نئی دہلی میں صحافی، دانشور، پروفیسر، متعدد سیکولر پارٹیوں کے نمائندے، مرکزی حکومتِ ہند کا ایک نمائندہ، یہ سب، مدعو اور شریک تھے۔**مگر، بھاجپا کا کوئی نمائندہ، نہ مدعو اور نہ ہی شریک تھا۔**

صرف، دہلی کے بعض حضرات، بحیثیتِ مقرر، مدعو تھے، جو، اپنے طور پر، اپنی سواریوں سے آئے تھے۔

انٹرنیشنل صوفی کانفرنس وسیمینار، نئی دہلی (۱۷/تا ۲۰/مارچ ۲۰۱۶ء) کی تفصیلات اور مدعو شخصیات کا علم، نہ ہونے کے باوجود، **میں نے اس میں شرکت سے اِس لئے اِنکار کیا کہ:**

دہلی کے طویل تجربات ومشاہدات کی روشنی میں، **مجھے، یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ:**

اس کے اندر، کوئی ''**خُفیہ ہاتھ**'' اور اس کے پیچھے، کسی سیاسی پہلو سے کوئی ''**لمبا کھیل**'' ہے۔ **اور، دہلی میں آئے دن، ایسے کھیل، ہوتے رہتے ہیں۔**

میں نے پہلے ہی مرحلہ میں **بِفَضْلِہٖ تَعَالیٰ**، جو، بھانپ لیا تھا، وہ، آج، سب کے سامنے ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیبِ پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّم کے صدقے میں، ہم سب پر، **اپنا فضل وکرم، فرمائے اور شرور وسیئات وآفاتِ نفس سے محفوظ رکھے۔آمین۔**

''**لُمرَ افاؤنڈیشن**'' نیک جذبات کے ساتھ، راقم سطور، یٰسٓ اختر مصباحی کی چند تحریریں، جو، میڈیا (الیکٹرانک وپرنٹ) میں، مارچ کے پہلے ہی ہفتہ میں آچکی ہیں، اُنھیں، آپ کی خدمت میں، پیش کر رہا ہے، جن کے مطالعہ سے آپ کو، بہت سے حقائق کا علم، ہو جائے گا۔اور:

صحیح نتیجہ تک پہنچنے میں، آپ کو بہت آسانی ہوگی۔اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالیٰ۔

یٰسٓ اختر مصباحی — مؤرخہ

دارُالقلم، قادری مسجد روڈ — ۲۸/جمادیٰ الاولیٰ ۱۴۳۷ھ

ذاکر نگر، جامعہ نگر، نئی دہلی — ۹/مارچ ۲۰۱۶ء، بروز چہارشنبہ

09350902937 — misbahi786.mk@gmail.com

بھاجپا کی سیاست، منظور ہے نہ قیادت

''جہاد'' اور ''تصوف'' کا، صرف ''مذہبی اِستعمال'' نہیں، بلکہ بعض اوقات وحالات میں بڑے پیمانے پر ''سیاسی اِستحصال'' بھی ہوا ہے۔اور آج بھی ہو رہا ہے۔

تقریباً، ڈیڑھ صدی پیشتر، بعض مغربی افریقی ممالک، مثلاً: اَلجزائر، مَراکش، لیبیا وغیرہ پر فرانس اور اٹلی جیسے طاقتور یوروپی ممالک کی فوجی مداخلت اور قبضہ وتسلُّط کے وقت، مختلف خونریز معرکوں میں، ان مسلم ممالک کی صدیوں قدیم خانقاہوں اور ان سے وابستہ، درویشوں، صوفیوں نے جارِح وغاصِب ممالک کی فوجی قوت کی شدید جنگی مزاحمت کی اور ان کا مقابلہ کرتے ہوئے **میدانِ جنگ میں، ان کے دانت، کھٹّے کر دیے تھے۔**

اِسی طرح، مغربی افریقہ کے ایک بہادر و جاں باز **مسلم قبیلہ ''بَربَر''** نے ان یوروپی ممالک کی فوجی قوت و طاقت کے خلاف، نہایت بہادری و بے جگری کے ساتھ، محاذ آرائی کر کے **جارِح وغاصِب دشمنوں کی ایک بڑی تعداد کو، موت کے گھاٹ، اُتار دیا تھا۔**

اپنے اِنتقامی جذبات سے مغلوب ہو کر، یوروپی ممالک کے اَربابِ سیاست وصحافت **اور، ان کی پروپگنڈہ مشنری نے، دنیا بھر میں:**

تصوف وصوفیہ کو بدنام کرنے اور مسلم قبیلۂ بَربَر کو، درندہ وخونخوار قبیلہ کی شکل میں پیش کرنے کے لئے اپنی تجوریوں کے دہانے کھول دیے۔

یہ، درحقیقت ''تصوف'' اور ''بَربَر'' کے خلاف، کُھلی ہوئی ''دہشت گردی'' تھی۔

تصوف تو اپنی روحانی توانائی کے ساتھ، آج بھی، زندہ سلامت ہے۔لیکن، درندگی وخونخواری کی مثال بنا کر، رائج کی گئی ایک نئی اِصطلاح کا، **یہ مظلوم ''قبیلۂ بَربَر'' کہیں ''بَربَریت''، کہیں ''بَربَرتا''، کہیں ''بَربَرازم'' کا آج تک، بُری طرح، شکار ہے۔**

اور، اَلمیَّہ، یہ ہے کہ مسلمان بھی، اپنی تاریخی بےخبری کے نتیجے میں، اِس **''اِصطلاحی دہشت گردی'' کو، قبول کر کے، اپنے ہی مسلمان بھائیوں کی روح کو، تڑپا رہے ہیں۔**

اور کسی فرد و جماعت کی جارحیت و درندگی کو ''بربریت'' سے تعبیر کرتے چلے آرہے ہیں۔

یہ، وہ مسلسل ظلمِ عظیم ہے جس کا، کسی کو، اِحساس وشعور بھی نہیں ہو پا رہا ہے۔

۱۹۸۰ء کی دَہائی میں، افغانیوں نے اپنے ملک، افغانستان میں ہونے والی، روسی مداخلت **اور فوجی قبضہ وتسلُّط کے خلاف، گھمسان کی جنگ، لڑی۔**

اُس وقت، امریکہ نے اپنے عالمی حریف ملک، روس کو، افغانستان سے نکال باہر کرنے کے لئے اپنے حلیف ملک، سعودی عرب کے اِشتراک وتعاون سے افغانیوں کے درمیان ''جہاد'' کے فضائل کی تبلیغ کر کے، ان کا جذبۂ جہاد مُشتعل کیا اور کروڑوں، اَربوں ڈالر کے جدید ہتھیار سے انھیں، مسلح کر کے، بالآخر، روس کو، افغانستان، چھوڑ بھاگنے پر، مجبور کر دیا۔

جس کے بعد، روس کی داخلی کمزوری نے اس کے ٹکڑے کر ڈالے اور آدھے درجن، نئے ممالک، نقشۂ عالم پر، اُبھر آئے۔

یہ حقیقت، ساری دنیا کو معلوم ہے کہ:

''طالبان'' اور ''اَلقاعِدہ'' اسلام دشمن ممالک، اسرائیل و امریکہ وانگلینڈ کے ماہرینِ سیاست کی **''شیطانی کھوپڑی''** کی پیداوار ہیں۔

اسی ''انٹرنیشنل لابی'' نے، ان تنظیموں کی پرورش وتربیت کی اور انھیں، پَروان چڑھا کر تندرست وتوانا، بنایا۔

دس بارہ سال پہلے، ایک چینل کا بڑا تجربہ کار صحافی، میرے پاس (دارُ القلم، دہلی) آیا۔اور اس نے مجھ سے، سوال کیا کہ:

افغانستان میں ہونے والی دہشت گردی کے بارے میں، آپ کا کیا خیال ہے؟

اس پہلے اور کثیرُ المقاصِد سوال کا جواب دیتے ہوئے میں نے کہا کہ:

خیال کیا ہے؟ بس ایک ہی خیال ہے کہ:

امریکہ کے فراہم کردہ ہتھیاروں کا رُخ، جب تک، روس کے خلاف تھا، اُس وقت تک، **افغانیوں کا، یہ عمل، امریکی پروپگنڈہ مشنری کی نظر میں ''جہاد'' تھا۔**

اور جب، انھیں افغانیوں نے امریکی ہتھیاروں کا رُخ، امریکی فوج کی طرف کر دیا، تو: **دنیا بھر میں، ان کی ''دہشت گردی'' کا پروپگنڈہ، کیا جانے لگا۔**

اس جواب کے بعد، میرے اِصرار کے باوجود، کوئی سوال کیے بغیر، وہ، صحافی: **بُعجلت تمام، رخصت ہو گیا۔**

سُقوطِ روس کے بعد، ایک نئے عالمی حریف کی تلاش میں، امریکہ نے ''اسلام'' کو اپنا سب سے طاقتور حریف، سمجھ لیا، اِس لئے اس کے خلاف، سازشی رفتار سے چلتے ہوئے ''بنیاد پرستی''، ''اسلامی بنیاد پرستی''، ''دہشت گردی'' اور بالآخر ''اسلامی دہشت گردی'' کے اپنے ہدف تک، اس نے رسائی، حاصل کر لی۔

ابھی تازہ ترین بات ہے کہ:

عرب ممالک کی اینٹ سے اینٹ بجا کر، اسرائیل کو تحفظ ٭، فراہم کرنے کے لئے ایک نئی تنظیم، عالَمِ وجود میں آئی۔ جو ''داعِش'' کے نام سے، دنیا بھر میں مشہور ہے۔

اس ''داعِش''، کو، اتنی قوت بخش غذا، فراہم کی گئی کہ:

یہ نوزائیدہ تنظیم، بگولے کی طرح، اُٹھی۔ اور طوفان کی طرح، اپنے ہولناک عزائم کے ساتھ، شام وعراق کے بڑے حصے پر، چھا گئی۔

اس کے مالی اِستحکام، اَفرادی کثرت، عَسکری تربیت وقوت اور مسلسل فتوحات نے اسے، اتنا بے قابو، بنادیا ہے کہ:

درندگی وسَفّاکی اور انسانیت سوز مظالم کے، سارے ریکارڈ، اس ''داعش'' نے توڑ دیے۔

''داعِش'' نے ''اَلقاعِدہ'' کو، بہت پیچھے چھوڑ دیا۔ اور ''داعش'' کی ہَیبت سے، نہ صرف یہ کہ:

عرب ممالک، لرزنے لگے، بلکہ انٹرنیشنل لابی کی اُس ''شیطانی کھوپڑی'' میں بھی، اس نے ہلچل مچادی، جس نے، اسے جنم دیا تھا۔

اپنے علاوہ، سارے مسلمانوں کو، کافر ومشرک سمجھ کر، ہر مذہب ومِلّت کے لوگوں پر ظلم وستم کرتے رہنے والے، صدیوں قدیم ''خارِجی فرقہ'' کی سبھی صفات وخصوصیات، داعش کے اندر پائی جاتی ہیں، اِسی لئے عالمی میڈیا، بِالخُصوص، عرب میڈیا، اسے ''خارِجی'' کہنے اور لکھنے لگا ہے۔

ماضی میں ''اَلقاعِدہ'' کے خطرات واثرات کی روک تھام کے لئے تصوف وصوفیہ، بِالخُصوص، مولانا جلالُ الدّین، رومؔی سے متعلق، مضامین ورسائل وکتب، لکھے اور لکھوائے گئے۔

سیمینار ہوئے۔ کانفرنسیں ہوئیں۔ اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ:

یوروپ وامریکہ میں تصوف کی فصلِ بہار، آ گئی ہے۔

اور اب، سَفّاک وبے لگام، داعِش کے وحشیانہ حملوں، اس کی دھمکیوں، اور یوروپ وامریکہ کو، درپیش خطرات نے انٹرنیشنل لابی کو مجبور کیا کہ ''تصوف'' کے دامن میں، پناہ لی جائے۔

چنانچہ، یوروپ وامریکہ میں، زور وشور کے ساتھ، تصوف کا ذکر ہونے لگا اور اس کا سبق پڑھایا جانے لگا۔

یہ سوچ، کچھ بُری، نہ تھی، اگر، اس کے اندر، نیک نیتی کا بھی، کوئی عنصر، شامل ہوتا۔

مگر، گھوم پھر کر، مسلمانوں ہی کو تصوف کا سبق پڑھانے کے پسِ پردہ بھی نہایت شاطِرانہ بدنیتی، پوشیدہ ہے کہ، یہی مسلمان:

دنیا بھر کی دہشت گردی کے جنم داتا، اور اصل ذِمّہ دار ہیں۔ دہشت گرد، انھیں کی صفوں میں پائے جاتے ہیں، اِس لئے، یہی، اس درد کا علاج، اور اس کا مداوا بھی، کریں۔

انٹرنیشنل لابی نے، جس بدنیتی کے ساتھ، ''جہاد'' کا جذبہ، مُشتعل کیا تھا، اُسی بدنیتی کے ساتھ، اس نے ''تصوف'' کی طرف بھی، رُخ کیا ہے۔

یعنی، اپنے مخصوص عَزائم کے تحت، جب، جہاد، یا۔ تصوف، جس کی ضرورت، پیش آئے، اُس کا چہرہ، سامنے کردیا جائے۔

اور، اس بازی گری کے ذریعہ، اپنے مقاصد واَہداف تک، رسائی، حاصل کی جاتی رہے۔

ہمارے ہندوستان میں بھی، قابلِ مذمّت دہشت گردی ہوئی اور برسوں تک ہوتی رہی۔ جس کا، میڈیا میں، چرچا ہوتا رہا۔ لیکن، میڈیا کے ایک فرقہ پرست گروپ نے خبررسانی اور رپورٹنگ کی، جس مذموم ذہنیت کا برسوں، مظاہرہ کیا، وہ ''صحافتی دہشت گردی'' کی بدترین مثال ہے۔

دہشت گردی کے الزام میں، بے شمار مسلم نوجوانوں کو، پھنسا کر، ان کی کردارکشی اور ان کی زندگی، برباد کرنے میں، بعض متعصّب وفرقہ پرست پولیس آفیسروں کا مذموم کردار بھی:

محکمۂ پولیس کے دامن پر، ایک بدنما داغ ہے۔

دہشت گردی، جیسی اور جس کی طرف سے بھی ہو، سخت قابلِ مذمّت ونفرت ہے۔

یہ دہشت گردی، درحقیقت، فرقہ پرستی کی پیداوار ہے۔ خواہ، کسی شعبہ ومحکمہ اور قوم ومذہب سے وابستہ افراد کی طرف سے ہو۔

کسی کا کوئی حق، غَصب کیا جائے، اُس کے ساتھ، زیادتی وناانصافی کی جائے، اُس کی حُرمت وناموس پر حملہ کیا جائے، اُس کا مال ومتاع چھینا جائے، اُس کے ساتھ، مذہبی ونسلی تعصّب وتفریق کا، برتاؤ کیا جائے، اُسے ذہنی کرب واذیت میں، مبتلا کیا جائے۔

یہ سب، دہشت گردی کے بدترین مظاہر ہیں۔

تین چار سال پہلے، شہر کٹنی-Katni (مدھیہ پردیش) کی ایک پُرہجوم، پریس کانفرنس میں، مجھ سے سوال کیا گیا کہ:

بھارت میں ہونے والے آتنک وَاد (دہشت گردی) کے بارے میں، آپ کا کیا کہنا ہے؟

میں نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ:

ہندوستان/بھارت میں جتنا آتنک وَاد، ہونا تھا، وہ، ہو چکا۔

یہ آتنک واد، جاری رہنے کے آثار، اب، نظر نہیں آرہے ہیں۔ کیوں کہ:

کچھ اصلی آتنک وَادی بھی، اب، پکڑے جارہے ہیں۔ اور ان کے ''تھنک ٹینک'' پر، اب، سوالیہ نشان، لگ چکا ہے۔

اس پریس کانفرنس میں، بیس بائیس صحافی، موجود تھے۔ مگر، اپنے پہلے ہی سوال کا جواب

پا کر، ان کا سلسلۂ سوال، اچانک، اِس طرح، منقطع ہوگیا کہ:

کسی دوسرے سوال کے لئے میرے اِصرار کے باوجود، کوئی صحافی، تیار نہیں ہوا۔ سب نے، یکے بعد دیگرے، اپنی اپنی راہ لی۔

حد درجہ افسوسناک اور تشویشناک بات، یہ ہے کہ:

چند سالوں سے اسلام دشمن، انٹرنیشنل لابی نے اپنی پروپگنڈہ مُہم کے تحت، اسلام کو ''**مُعتدِل اسلام**'' اور ''**اِنتہا پسند اسلام**'' کے خود ساختہ، دو خانوں میں تقسیم، کرنے کی سازش، کر رکھی ہے۔

جو، قیامت تک، کامیاب، نہیں ہوسکتی۔ مگر، مسلمانوں کے درمیان، اِختلاف و اِنتشار کے **زہریلے جراثیم، پھیلاتے رہنے سے، وہ، باز بھی، نہیں آسکتی۔**

جس سے، عُلما و دانشورانِ مِلّت کو، ہمیشہ، چوکنّا، رہنے کی ضرورت ہے۔

افغانستان میں، اسی انٹرنیشنل لابی نے اپنی پلاننگ کے مطابق، ''**جہادی اسلام**'' کو آگے بڑھایا تھا اور سعودی عرب، مال و ریال کے بل بوتے پر، اس حنفی ملک کو، اپنا ایک ماتحت ملک، بنانے کی کوشش کرتے ہوئے اپنے وہابی لٹریچر کے ساتھ، وہابی مبلّغین کی کھیپ، بھیجتا رہا۔

یہی سعودی وہابی تاریخ، ۱۹۲۵ء کی بھی ہے۔ جب، اس نے حرمین شریفین (حجازِ مقدس) اور طائف وجدّہ پر، قبضہ کیا۔ اور:

مسلمانانِ مکہ و مدینہ وطائف وجدّہ پر، مظالم کے پہاڑ، توڑے۔

جن کا ذکر، مولانا عبد الباری، فرنگی محلی لکھنوی، مولانا حسین احمد مدنی، نواب صدیق حسَن بھوپالی، مولانا محمد علی جوہر، خواجہ حسن نظامی، دہلوی، وغیرہ نے اپنی مختلف تحریروں میں کیا ہے۔

یہ تاریخی حقائق، صفحاتِ تاریخ پہ، ثبت ہیں۔ جنھیں، ریال اور درہم و دینار کے ذریعہ، مٹایا نہیں جاسکتا۔

اس کے ساتھ ہی، یہ بھی یاد، رکھنا چاہیے کہ:

ڈالر و پونڈ اور مال و منصب کے سہارے، مسلمانانِ ہند کو مذہبی و سیاسی طور پر لڑانے بھڑانے کی کوئی سازش و کوشش بھی، ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتی۔

۲۱ رجنوری ۲۰۱۵ء کو، ایک سرکاری ایجنسی کی جانب سے تفتیش کا، میرے ساتھ، جو، حادثہ ہوا، اُس وقت، مسلمانوں کے ہر طبقے اور ساری تنظیموں، جماعتوں کی طرف سے ہمدردی و یک جہتی کا بے مثال مظاہرہ ہوا۔ اس حادثہ کے دس بارہ روز بعد، ایک معروف مسلم لیڈر نے میرے ساتھ، اظہارِ ہمدردی کرتے ہوئے اپنا ایک اہم واقعہ سنایا کہ:

صوبۂ جموں و کشمیر میں جنگ جُو عَناصِر، جب، سرگرم تھے، تو، وہاں کے بعض سرکاری

ذِمّہ داران وآفیسران نے اپنا، یہ خیال، ظاہر کیا کہ:

جب تک کشمیر میں ''**صوفی اسلام**'' کا بول بالا تھا، اُس وقت تک، یہاں مکمل امن وامان، قائم رہا۔ لیکن، جب سے یہاں ''**وہابی اسلام**'' آیا ہے، اُسی وقت سے، یہاں کے حالات، بگڑنے شروع ہوئے اور مارکاٹ کا سلسلہ، شروع ہوا ہے۔

اس مسلم لیڈر کے بقول: **میں نے کہا کہ:**

اس ''**وہابی اسلام**'' کے پیدا کردہ، ان خطرات اور جُنونی حالات پر، قابو پانے کے لئے **آپ لوگوں نے کیا قدم، اٹھائے ہیں؟**

انھوں نے میرے سوال کے جواب میں، **تصوف وصوفیہ** سے متعلق، چند دیدہ زیب کتابیں، دکھاتے ہوئے کہا کہ:

دیکھیے! یہ کتابیں، ہم نے، اپنے ذرائع سے لکھوائی اور شائع کرائی ہیں۔''

''**مُعتدِل اسلام**'' اور ''**اِنتہا پسند اسلام**'' کی طرح، چند سالوں سے ''**صوفی اسلام**'' اور ''**وہابی اسلام**'' بھی، درحقیقت، انٹرنیشنل لابی کی ''**شیطانی کھوپڑی**'' کی رائج کردہ اِصطلاح ہے۔ جو، مسلم معاشرے میں گھسنے کی راہیں، تلاش کر رہی ہے۔ اور ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہے۔

اس خطرناک صورتِ حال سے ہوشیار اور چوکنّا رہنا، ہر باشعور مسلمان کے لئے، ضروری ہے۔

اسلام، وہی اسلام ہے، جو، قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ اسلام، عقائدِ قطعیہ اِجماعیہ کا مجموعہ اور ناقابلِ تقسیم، حقیقتِ واحدہ ہے۔ اس کے برعکس، کسی کا کوئی نام نہاد اسلام ہے تو، اسلام اور اہلِ اسلام سے، اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اور اسلام کی کوئی فرضی و اِختراعی تفریق وتقسیم، اہلِ اسلام کے لئے قطعاً، ناقابلِ برداشت ہے۔

اسلامی عقائد ونظریات، اسلامی رِجال وشخصیات، اور اسلامی تاریخ وتہذیب پر، جب، کوئی اسلام دشمن قلم کار، اپنی جہالت وشرارت کی بوچھار کرتا ہے، تو، اس کے پیشِ نظر:

اسلام، اور صرف، اسلام ہوتا ہے۔

اس کی نظر میں، کوئی سنّی اسلام ہوتا ہے، نہ شیعی اسلام ہوتا ہے، نہ ہی، وہابی اسلام ہوتا ہے۔

صدیوں سے سنّی، شیعہ، وہابی، یہ سارے فرقے پائے جارہے ہیں جن کی تفریق کا خاتمہ، بظاہر، ناممکن ہے۔ **مگر غیروں کی نظر میں، یہ سب کے سب:**

مسلمان، اور صرف، مسلمان ہوتے ہیں۔

کسی مسجد پر، جب، کچھ فرقہ پرست وشر پسند عَناصِر کی طرف سے کوئی حملہ ہوتا ہے۔ کسی داڑھی، ٹوپی اور بُرقعہ کی عزت، جب کبھی، داؤ پر لگتی ہے۔ کسی نشان زَدمکان، دکان، اور

فیکٹری کو، جب، آگ لگائی جاتی ہے تو شر پسندوں اور حملہ آوروں کی نظر میں:

یہ، ساری چیزیں، مسلمان اور صرف، مسلمان کی ہوتی ہیں۔

کسی سنّی کی ہوتی ہیں، نہ کسی شیعہ کی ہوتی ہیں، نہ ہی، کسی وہابی کی، ہوتی ہیں۔

اِن عملی حقائق سے نگاہیں، پھیر لینا، اور اسلام و مسلمین کے اِجتماعی مفادات و مصالح کو نظرانداز کردینا، خود، اپنی تباہی و بربادی کو، دعوت دینے، اور خودکشی کرنے کے، مترادف ہے۔

مسلمانانِ ہند کے اِجتماعی مفادات و مصالح کا تقاضا ہے کہ:

اپنے سنگین مذہبی اِختلافات کے باوجود، اپنے اِجتماعی مفاد کا، ہرممکن، تحفظ کریں۔

اپنی تعلیم و تجارت و صنعت و حرفت کو، فروغ دیں۔ اور اپنے جائز مطالبات کی تکمیل کے لئے، ایک زبان ہوکر، اپنی آواز، بلند کرتے رہیں۔

جیسا کہ مسلم پرسنل لا، بابری مسجد، اردو زبان، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، تناسبِ آبادی کے اعتبار سے مسلم ریزویشن، اور اپنے دستوری حقوق کے تحفظ، نیز ہندو مسلم فسادات کے خاطیوں، مُجرموں، اور ذِمّہ داروں کو، سزا دِلانے اور مظلومین کے ساتھ، انصاف کرنے، انھیں معاوضہ دلانے کے سلسلے میں، بیک زبان، وہ، اپنی آواز، بلند کرتے چلے آرہے ہیں۔

سنگھ پریوار (آرایس ایس اور اس کی ذیلی تنظیمیں، بھاجپا، وِشو ہندو پَریشد، بَجرنگ دَل، ہندو یُوا وَاہنی۔ وغیرہ) کے، وہ مسلم دشمن، فرقہ پرستانہ و نسل پرستانہ نظریات، ساری دنیا پر، واضح ہیں:

جنھیں، رُوبعمل لانے کے لئے، آر، ایس، ایس کی اڑتیس (۳۸) ذیلی تنظیمیں۔

اور، ملک بھر میں، اس کی، اِکیاون ہزار (51,000) شاخیں، شب و روز، سرگرم ہیں۔

اس کی پہلی سیاسی تنظیم، جن سنگھ کی، ایک زمانے تک، کوئی صوبائی حیثیت بھی نہیں تھی، وہ، ایمرجنسی (۱۹۷۵ء تا ۱۹۷۷ء) کے بعد، اپنی توسیعی حکمتِ عملی کے تحت، جنتا پارٹی میں ضم ہوکر، مرکزی حکومت میں شریکِ اِقتدار، رہ کر، کچھ مدت تک، اس کے فوائد، حاصل کرنے کے بعد:

دوہری رُکنیت کے سوال پر، جنتا پارٹی سے الگ ہوکر، بھاجپا (بھارتیہ جنتا پارٹی) کی شکل میں، سامنے آئی۔

اور آج، یہی بھاجپا، شری، نریندر مودی (وزیراعظم) کی قیادت میں:

مرکزی حکومت پر، قابض ہے۔

اس بھاجپا کا، نظریاتی مرکز، (آر، ایس، ایس کا مرکزی دفتر)، ناگ پور (مہاراشٹر) ہے۔ جس کے حکم اور اشارے پر ہی، اس کی، بنیادی پالیسی، طے ہوتی ہے۔

جن سنگھ سے بھاجپا تک کی، سیاسی تاریخ، یہی، رہی ہے کہ:

دوسروں سے مل کر، ان کے سہارے، اپنے ووٹ بینک میں، اضافہ کرتی رہی۔

جس کی تازہ مثال، یہ ہے کہ:

صوبۂ جموں و کشمیر میں مفتی سعید کی سیاسی پارٹی، پی ڈی پی کی صوبائی حکومت میں شریکِ اِقتدار ہوکر، اس نے حکومت کے اثر و رسوخ سے کشمیری مسلمانوں میں گھس پیٹھ، شروع کردی۔

مدارس و مکاتب، مسلم تنظیموں، خانقاہوں، مسلم دانشوروں، صحافیوں اور عُلما و مشائخ سے رابطہ، پیدا کرکے، ان کی صفوں میں، اپنے ہم خیال آدمی، پیدا کرنے لگی۔

اس نئی صورتِ حال سے باشعور کشمیری مسلمان، حد درجہ، پریشان، اور تشویش و اضطراب میں، مبتلا ہیں۔

بھاجپا نے کشمیر سے کنیا کماری تک، اب، اپنی زیادہ توجہ، مسلم ووٹ پر، مرکوز کردی ہے۔

کیوں کہ: آر، ایس، ایس، نظریات کی وجہ سے مسلم ووٹ، بھاجپا سے ہمیشہ، دور، رہا ہے اور، اسے بھاجپا کی سیاست و قیادت، کبھی، منظور نہیں رہی۔

یوں تو، بھاجپا کا نعرہ ہے: سب کا ساتھ، سب کا وِکاس۔ لیکن عمل، یہ ہے کہ:

سب کا ساتھ، اپنا وِکاس۔ یا۔ سب کا ساتھ، سب کچھ، اپنے پاس۔

پہلے مرحلے میں پانچ صوبائی انتخابات اور دوسرے مرحلے میں، اس کے بعد کا اہم ترین پارلیمانی انتخاب، جیتنے کے لئے بھاجپا کو، اچھے خاصے مسلم ووٹ کی شدید ضرورت ہے۔

مسلم ووٹ سے اپنی دوری، کم کرنے کی مختلف تدابیر کا سلسلہ، جاری ہے۔

شری، نریندر مودی (وزیراعظمِ ہند) چند ہفتہ قبل اپنے ایک غیر ملکی دَورے کی تقریر میں ''صوفی اسلام'' کی فضیلت و اِفادیت بھی، بیان کرچکے ہیں۔

صوفیوں، صحافیوں، دانشوروں، تنظیموں، مدرسوں، خانقاہوں اور عُلما و مشائخ کرام کے ساتھ، بھاجپا کے تربیت یافتہ، یا۔ اس کے مقرر کردہ، یا۔ کچھ فریب خوردہ افراد، مختلف حیلوں، بہانوں سے، اپنے رَوابط و تعلقات، خوشگوار بنانے کی مُہم میں لگے، شب و روز، لگے ہوئے ہیں۔

آنے والے وقتوں میں، دور و نزدیک کی بھاجپائی آمیزش کے ساتھ:

نہ جانے، کون سا چہرہ، اور کون سا منظر، سامنے آئے اور کس ترکیب و تدبیر کے ساتھ مسلم ووٹ پر، شب خوں مارنے کی تیاری ہو؟ یہ تو، آنے والا وقت ہی بتائے گا۔ مگر:

ہر مسلمان، وقت سے پہلے سمجھ لے۔ اور ضرور سمجھ لے کہ:

تری بربادیوں کے مشورے ہیں، آسمانوں میں

مسلمانوں کو، کیوں منظور نہیں ہے، بھاجپا کی سیاست وقیادت؟

تصوف اور صوفیہ کا سیاسی اِستعمال !
مسلمانوں کے لئے نا قابلِ قبول

بھاجپا (بھارتیہ جنتا پارٹی۔ سابق نام: جن سنگھ) کو مسلمان، اور مسلمانوں کو بھاجپا، یہ دونوں، ایک دوسرے کی نظر میں ہمیشہ، خار کی طرح، کھٹکتے رہتے ہیں۔ اِس بھاجپا (بھارتیہ جنتا پارٹی) کو، مسلمانوں پر، کوئی بھروسا نہیں۔ اور مسلمان بھی، بھاجپا کو، بھروسا کے قابل، نہیں سمجھتے۔

مسلم ووٹ کی طرف، بھاجپا، للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتی ہے۔ مگر، مسلم ووٹ ہے کہ:

اس سے دور، رہنے ہی میں، اپنی عافیت اور دین ودنیا کی بھلائی، سمجھتا ہے۔

جو لوگ، بھاجپا کو، محض، ایک سیاسی پارٹی سمجھ کر، اس کے کسی اِقدام وعمل کو، دیگر سیاسی پارٹیوں کی طرح، صرف ایک عارضی عمل کی حیثیت سے دیکھتے اور اصل مقصد کی تہ تک نہیں پہنچ پاتے ہیں، وہ، سخت غفلت اور غلط فہمی کا شکار ہو کر، غلط رائے قائم کرتے اور غلط فیصلے کرتے رہتے ہیں۔

مسلم ووٹ، بڑی آسانی کے ساتھ، بھاجپا کو بھی، دیگر سیاسی پارٹیوں کی طرح، ملتا رہتا اور اس سے وہ، دوری، کبھی، نہ ہوتی جو، آج تک، باقی ہے۔ کیوں کہ سبھی سیاسی پارٹیاں، ہندوؤں ہی کے مکمل کنٹرول میں ہیں اور ان کی قیادت اور لیڈر، شپ پر، ہندوؤں ہی کا قبضہ اور غلبہ ہے۔

بھاجپا، اپنے خوش کن وعدوں اور سیاسی بیانات و اِعلانات و اِشتہارات کے ذریعہ مسلمانوں کا دل، اپنی طرف، مائل کر کے، اُن سے سیاسی رسم وراہ، رکھنا اور ان کا ووٹ، حاصل کرنا چاہتی ہے۔ **مگر، اس کی ساری کوششیں اور وَرزشیں بے کار اور بے سود ہو کر:**

روایتی دوری، اپنی جگہ، باقی وبرقرار، رہ جاتی ہے۔

وجہ، اس کی، یہ ہے، اور صرف، یہی ایک وجہ ہے کہ:

بھاجپا (سابق نام: جن سنگھ) درحقیقت، آر ایس ایس (راشٹریہ سویم سیوک سنگھ) کے فرقہ پرستانہ ونسل پرستانہ نظریہ کی حامل، ایک سیاسی پارٹی ہے جس کے خمیر وضمیر میں مسلم دشمنی، شامل ہے۔ **اور آر، ایس، ایس کے ساتھ، بھاجپا کی، ایسی غیر مشروط وفاداری ہے کہ:**

کچھ بھی ہوتا رہے۔ اور کوئی بھی، چھوٹتا ہے تو، چھوٹ جائے۔ مگر، اُس آر، ایس، ایس کا دامن، اُس کے ہاتھ سے، ہرگز، نہ چھوٹنے پائے، جس کے ایک وَرکر، "**ناتھورام گوڈسے**" نے ۱۹۴۸ء میں گاندھی کو، برلا ہاؤس، نئی دہلی میں گولی، ماردی تھی اور اس کی پاداش میں، ملک بھر میں:

آر، ایس، ایس کے خلاف، مرکزی حکومتِ ہند نے پابندی، عائد کردی تھی۔

جنتا پارٹی کے دَورِ حکومت میں، جب، یہ سوال ومطالبہ ہوا کہ:

جنتا پارٹی میں شامل ہونے والی جن سنگھ، جنتا پارٹی اور آر، ایس، ایس میں سے کسی ایک ہی کی ممبری، قبول کرے۔ بیک وقت، دونوں کی ممبری، جاری نہیں، رکھ سکتی۔

وہ، دو میں سے کسی ایک کا، جلد از جلد، انتخاب کرلے۔"

تو، کشمکش کے، اِس دَور میں جن سنگھ گروپ نے آر، ایس، ایس کے حق میں فیصلہ کیا اور شری، اٹل بہاری، واجپئی وشری، لال کرشن، ایڈوانی کی قیادت میں جنتا پارٹی چھوڑ کر، **بھارتیہ، جنتا پارٹی کے نام سے، ۱۹۸۰ء کے پارلیمانی الیکشن میں حصہ لیا۔**

آئندہ بھی، کسی بھی فیصلہ کُن مرحلے میں بھاجپا کا یہی فیصلہ ہوگا کہ:

سب کچھ، چھوٹے تو چھوٹے۔ مگر، آر ایس ایس کا دامن، ہاتھ سے ہرگز، نہ چھوٹنے پائے۔

۱۹۸۹ء کے پارلیمانی الیکشن کے موقع پر، شری، وی پی سنگھ کی پارٹی "جنتا دل" سے بھاجپا نے سیٹوں کا سمجھوتہ کیا اور اسی معاہدہ کے سہارے، اَٹھاسی (۸۸) پارلیمانی سیٹیں، جیتنے میں اس نے کامیابی، حاصل کرلی۔

بھاجپا نے ہمیشہ، وہی کیا ہے جس کا حکم، اسے **آر، ایس، ایس** نے دیا ہے اور بھاجپا، وہی کرتی رہے گی جس کا حکم، اسے آر، ایس، ایس اور اس کے ہیڈ کوارٹر، **ناگ پور** (مہاراشٹر) سے ملتا رہے گا۔

اس کے علاوہ، اگر، کوئی شخص، کچھ، سوچتا اور سمجھتا ہے تو، یہ، **اس کی بے خبری وبے شعوری اور خود فریبی ہے۔**

مسولینی اور ہٹلر، جیسے نسل پرست اور ظالم حکمراں، آر ایس ایس کے آئیڈیل (نمونۂ فکر وعمل) ہیں۔ سنگھ پریوار (آر، ایس، ایس، بھاجپا، وِشو ہندو پریشد، بجرنگ دَل، ہندو مہا سبھا، ہندو یُو وَاہنی، وغیرہ) نسل پرستی، فرقہ پرستی، جارحیت پسندی، مسلم دشمنی کے اَجزائے ترکیبی سے مرکَّب، ایک ایسی تنظیمی وتحریکی قوت ہے جس کا اصل نشانہ، اپنے نظریہ اور اپنی قومیت کے دائرے میں تشکیل پانے والے "ہندو راشٹر" کا، قیام ہے۔

دلی کے نہرو میموریل میوزیم میں موجود ریکارڈوں کے مطابق، ہٹلر اور مسولینی، جیسے **ڈکٹیٹروں اور فاشسٹ لیڈروں کے ساتھ، آر، ایس، ایس کے قریبی تعلقات تھے۔**

اوران کا نَسل پرستانہ نظریہ وفلسفہ ہی، آر، ایس، ایس کا، آئیڈیل (نمونۂ فکروعمل) ہے۔
آر، ایس، ایس کے بانی، آنجہانی، ڈاکٹر، ہیڈگوار کے ایک نظریاتی دستِ راست، مسٹر، بی، ایس، مونجے نے، ۱۹۳۱ء میں، اٹلی کے سفر میں، وہاں کی لائبریریوں اوراداروں کو، دیکھنے کے ساتھ:
نَسل پرست لیڈر، مَسولینی سے بھی، تفصیلی ملاقات کی تھی۔
اٹلی کی نَسل پرست تنظیموں کا ذکر کرتے ہوئے، مسٹر، مونجے نے لکھا ہے کہ:
ہندوستان، خاص کر، **ہندو بھارت** کو بھی، ایسی ہی تنظیموں کی ضرورت ہے۔
ڈاکٹر، ہیڈگوار کی قیادت میں، ہماری تنظیم ''راشٹریہ سویم سیوک سنگھ'' بھی، اسی طرز پر، بنی ہے۔
مَیں، تاحیات، ڈاکٹر، ہیڈگوار کی، اِس تنظیم، آر، ایس، ایس کی ترقی اور:
پورے مہاراشٹر اوراس سے باہر، اس کی توسیع کے لئے، سرگرم، رہوں گا۔''
آر، ایس، ایس کے بانی، آنجہانی، مسٹر، ہیڈگوار، ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۱ء تک، جس:
ہندومَہاسَبھا کے سکریٹری تھے، ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۲ء تک، **ساوَرکر، اس کے صدر، رہے۔**
ساوَرکر، جرمنی کے ہٹلر سے، کافی متأثر تھے۔
ساوَرکر نے اکتوبر ۱۹۳۸ء میں، مالیگاؤں (مہاراشٹر) میں، تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ:
کسی ملک کی تعمیر، اکثریتی فرقہ کولے کر، ہوتی ہے، نہ کہ اقلیتی فرقہ کولے کر۔''
نہرو میموریل لائبریری (دہلی) کے مطابق، مسٹر، مونجے نے مسٹر، کھابڑے کو، بھیجے گئے ایک خط میں لکھا کہ:
مسلمان، بہت شرارت پسند ہوگئے ہیں۔ کانگریس، ان کا مقابلہ کرنے کے بجائے، ان کے سامنے، سرِ تسلیم خَم کیے ہوئے ہے۔ اِس لئے سرکاراور مسلمان، دونوں کے خلاف، لڑنا ہوگا۔
اس کے لئے آر، ایس، ایس کا استعمال، آسان اورنفع بخش ہوسکتا ہے۔
''چرخے'' کامقابلہ، آخرکار ''رائفل'' ہی سے کرنا ہوگا۔''
ہٹلر ومسولینی جیسے ظالم ونسل پرست حکمراں، جنہیں، ساری دنیا نے مسترد کردیا، اُن کا ہی، سنگھ پریوار، پرستار، ہے۔
ہٹلر کی نسلی تفریق کی پالیسی اور مسولینی کی فاشِسٹ تنظیم، اسے پسند ہے۔
اور، اسی طرز پر، ہندوستان میں، **یہ سنگھ پریوار**، اپنی فرقہ پرست ونسل پرست حکومت، قائم کرنا اور ہندوراشٹر کا، اپنا خواب، پورا کرنا چاہتا ہے۔ جو، اس کے ''وچاردَھارا'' (طرزِفکر) اوراس کی **مخصوص ''راشٹریتا'' (قومیت) کی بنیاد پر، قائم ہو۔**

آنجہانی، شری، گروگولوالکر، آرایس ایس کے ایک سربراہ اوراس کے نظریہ ساز لیڈر ہیں، اُن کے تمام تر نظریات، ہندوراشٹر کے قیام کے محرِّک ہیں۔ اور ہندوستان میں، وہ:
مسلم وجود کو، ہندو کے لئے ایک چیلنج سمجھتے ہیں۔
''**بینچ آف تھاٹ**'' پڑھ کر، گولوالکراورآر، ایس، ایس کے سبھی لیڈروں کے دل ودماغ **اور، ان کی سوچ کی پَرتیں، اورگرہیں، کھلی نظر آتی ہیں۔**
آنجہانی، شری، دین دیال اُپادھیائے، آر، ایس، ایس کے صفِ اول کے نظریاتی لیڈر ہیں۔
ان کی تحریروتقریر پر مشتمل، بتّیس (۳۲) صفحہ کاایک پمفلٹ (بزبانِ ہندی۔مطبوعہ ۱۹۹۶ء۔ نوئیڈا۔ یوپی) ہے۔ **اس پمفلٹ میں شری، گولوالکر کا، یہ خیال بھی درج ہے کہ:**
جب، پیڑ میں قلم لگائی جاتی ہے، تو، اس کی نشوونما ہی بدل جاتی ہے۔ اسی طرح، جب کوئی، مسلمان، بنتا ہے تواس کابھی یہی، حال ہوجاتا ہے۔ اوروہ، بھارت سے، الگ ہوجاتا ہے۔''
شری، اُپادھیائے نے یہی خیال، ایک تعلیم یافتہ طبقے کو خطاب (درآندھرا پردیش۔ ۱۷رمئی ۱۹۶۵ء) کرتے ہوئے ظاہر کیا کہ:
مسلمان ہونے کے بعد، اس کی نشوونمااورسوچ ہی، بدل جاتی ہے۔
وہ، راشٹر (قوم) سے الگ، اورراشٹر کادشمن، ہوجاتا ہے۔
یہ کہنا پڑتا ہے کہ: یہاں کا مسلمان، راشٹرِی (قوم پرست) نہیں۔
وہ، انھیں چیزوں کو، اپناتا ہے، جو، ہندوستان مخالف ہوں۔''
اس پمفلٹ میں، یہ بھی لکھا گیا ہے کہ شری، اُپادھیائے اور شری، گولوالکر کا خیال ہے کہ:
''مسلمان، اجتماعی طور سے، بُرے۔ اور ہندو، اِجتماعی طور سے، اچھے ہوتے ہیں۔''
پونے، مہاراشٹر کی، اپنی ایک تقریر (در ۱۹۶۵ء) میں شری، اُپادھیائے کہتے ہیں کہ:
یہاں، مسلمان، تلوار لے کرآئے تھے۔ اِس بات کو، بُھلایا نہیں جاسکتا۔
اِسی لئے، یہ بھی نہیں، بُھلانا چاہیے کہ:
مسلمانوں سے چلی آرہی، ہماری محاذآرائی، مذہبی نہیں، بلکہ سیاسی ہے۔''
کفروگمراہی پر مشتمل ''دینِ اِلٰہی'' کاموجداورنمازروزہ کا مذاق اُڑانے والا مغل بادشاہ، اکبر، چوں کہ، ایک مسلمان کے گھر، پیدا ہوا تھا، اِس لئے اس کے بارے میں شری اُپادھیائے کا، یہ خیال ہے کہ: **اکبر، مَہان (عظیم) ہوگا۔ مگر، وہ، ہمارا نہیں تھا۔**
ہم، جب کہتے ہیں کہ: ہزارسالہ غلامی سے ہم، آزاد ہوئے، تو، اس کا:

سیدھا مطلب، یہی ہوتا ہے کہ:

اکبر کے دَورِ حکومت میں، ہم، غلام تھے۔" (مذکورہ ہندی پمفلٹ)

آر، ایس، ایس کے ایک سربراہ، آنجہانی، شری، کے، ایس، سدرشن نے بھونیشور (اڑیسہ، انڈیا) کی، اپنی ایک عوامی تقریر میں کہا کہ:

مسلمان، اپنے اسلام کا "بھارتیہ کرن" کرلیں۔ یہاں کی تہذیب کو، اپنے اندر، جذب کرلیں۔

یہ ملک، ایک نسل، ایک تہذیب، اور ایک دھرم کی بنیاد پر، ہی، مستحکم ہوسکتا ہے۔"

(یو این آئی۔ پی ٹی آئی۔ ۲۵؍فروری ۲۰۰۱ء)

ہری دُوار، (اتر پردیش) میں ایک عوامی جلسے میں، آر ایس ایس سربراہ، شری، کے، ایس، سدرشن نے مسلمانوں اور عیسائیوں کو، مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ:

مسلمان اور عیسائی، اپنی مذہبی عبادت گاہوں کا "راشٹریہ کرن" کرلیں۔

مَکّہ اور ویٹکن سے، اپنے رابطے، منقطع کرکے، ہندوستانی بنیں۔

مسلمان، اور عیسائی، جب تک،، ملک کی تہذیب سے نہیں جُڑ جاتے:

تب تک، ملک کی صحیح تعمیر، نہیں ہوگی۔

مسلمانوں اور عیسائیوں کو، اپنا طرزِ فکر، ہندو قوم پرستانہ بنا کر، جدید کلچر، اپنانا ہوگا۔"

(۹؍مارچ ۲۰۰۱ء کے اخبارات)

سنگھ پریوار کے مصنّفین و مؤرخین کا خاص مشغلہ، یہ ہے کہ:

تاریخی حقائق و واقعات کو، توڑ مروڑ کر، صدیوں پرانی تاریخ، اپنی مرضی اور منشا کے مطابق بنالی جائے اور اسکول و کالج و یونیورسٹی کے نصابِ تعلیم میں ایسا مواد اور ایسی معلومات، شامل کردی جائیں، جو، تعلیم یافتہ نوجوان ہندوؤں کو، سنگھ پریوار کا ہم خیال و ہم نوا، بنادیں۔

مسلمانوں کو، تعلیم و تجارت اور ملازمت سے کس طرح، دور رکھا جائے؟

اور، ان کے سامنے، ایسی مشکلات اور رکاوٹیں، کھڑی کردی جائیں کہ:

وہ، خود، قدم پیچھے ہٹاتے ہوئے پس ماندگی و بدحالی کا شکار ہوجائیں۔ ان کی مساجد و مدارس اور قبرستانوں کو، اختلافات و تنازعات کا شکار بنایا جائے۔ اور رفتہ رفتہ، ان کی تعلیم و تجارت و ملازمت اور ترقی و اِستحکام کی راہیں، حکمتِ عملی کے ساتھ، مَسدود کردی جائیں۔

سنگھ پریوار کے یہی، وہ، عزائم ہیں، جن کی طرف، وہ، **قدم بقدم**، آگے بڑھ رہا ہے۔

"بُتانِ عجم کے پجاری" اگر "تصوّف" میں کچھ آمیزش۔ یا۔ آلائشِ دنیوی میں اسے

ملوّث۔ یا۔ کسی طرح سے، اس کا "سیاسی اِستحصال" کرنے لگیں۔ یا۔ کچھ خام کارانِ تصوف، کسی دامِ ہم رَنگِ زمین اور فریب خوردگی کا شکار ہونے لگیں تو ایمانی غَیرت وحَمیّت اور شعور و آگہی رکھنے والا، ہر مَردِ دانا، اور کوئی بھی بلند فکر و اقبال مند فرزانہ، یقیناً، مُضطرب اور بے چین ہوجائے گا۔

اُسے فکر، لاحق ہوگی۔ اور صرف فکر، لاحق نہیں ہوگی، بلکہ یقین و اِعتماد، اِستقلال و اِستقامت اور عزم و حوصلہ کی بلند چوٹی سے، وہ، **یہ کلمۂ حق بھی بلند کرنے لگے گا کہ:**

اگرچہ، بُت ہیں، جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکمِ اَذاں، لاالٰـــــہ اِلَّااللہ

کسی خطرے کی بُو، اور طوفان کی آہٹ، محسوس کرتے ہی اپنے ساتھ، اپنوں کو بھی بیدار و ہوشیار اور چوکنّا، کردینا:

فِراستِ ایمانی اور اُخوتِ اسلامی کا تقاضا ہے۔

اور، یہی، وہ، تقاضائے اسلام و ایمان ہے، جسے پوری بلند آہنگی کے ساتھ، پورا کیا ہے **اپنے دَور کے امامِ عشق و عرفان، امام احمد رضا، عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ وَالرِّضْوَان نے کہ:**

سونا جنگل، رات اندھیری، چھائی بدلی، کالی ہے
سونے والو! جاگتے رہیو، چوروں کی رَکھوالی ہے
آنکھ سے کاجل، صاف چُرالیں، یاں، وہ چور، بلا کے ہیں
تیری گٹھری، تاکی ہے اور تو نے نیند نکالی ہے

یٰسٓ اختر مصباحی
بانی و صدر دارُالقلم، قادری مسجد روڈ
ذاکر نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

مؤرخہ
۲۴؍جمادیٰ الاولیٰ ۱۴۳۷ھ
۵؍مارچ ۲۰۱۶ء بروز شنبہ

رازِ درونِ خانہ وَ مے خانہ

مولانا سید تنویر ہاشمی، بیجاپوری (صدر آل انڈیا علما و مشائخ بورڈ۔ صوبہ کرناٹک) انٹرنیشنل صوفی سیمینار و کانفرنس، نئی دہلی (منعقدہ ۱۷؍تا ۲۰؍مارچ ۲۰۱۶ء) سے ایک روز پہلے، رضوی کتاب گھر، مٹیا محل (دہلی) کے آفس میں تشریف لائے۔ اور دَورانِ گفتگو، انھوں نے فرمایا کہ:

"بچپن سے کانگریس کو، دیکھ رہے ہیں کہ اس نے مسلمانوں کے لئے کچھ نہیں کیا۔

اب، سوچا اور پروگرام بنایا گیا ہے کہ: بھاجپا کو بھی آزما کر، دیکھ لیا جائے۔"

روایت: حافظ قمر الدین رضوی (مالک و مدیر: ماہنامہ "کنزُ الایمان"، دہلی) بتاریخ ۳؍اپریل ۲۰۱۶ء۔ بروز اتوار۔ بمقام، دارُالقلم، ذاکر نگر، نئی دہلی۔ ۲۵

صوفی سیمینار و کانفرنس (نئی دہلی) سے متعلق، چند معروضات

کانگریسی وزیرِ اعظم، مسٹر، نرسمہا راؤ کے دَورِ حکومت میں، ۶ر دسمبر (۱۹۹۲ء) وہ، اَلمناک تاریخ ہے جس میں بابری مسجد کی شہادت کا حادثہ، رونما ہوا۔ اور اس کا ذِمّہ دار، عام طور پر، سنگھ پریوار (آر، ایس، ایس، بھاجپا، وِشو ہندو پَریشد، بَجرنگ دَل، وغیرہ) کو، سمجھا جاتا ہے۔ بیشتر سیاسی حلقے، نرسمہا راؤ کی غفلت و کوتاہی، یا۔ درپردہ سازِش، یا۔ خاموش کردار کو بھی، اس کا ذِمّہ دار مانتے ہیں۔ اور مسلمانانِ ہند، بلا تکلّف و توقّف:

ان دونوں (سنگھ پریوار و نرسمہا راؤ) ہی کو، شہادتِ بابری مسجد کا مُجرم، گردانتے ہیں۔

اِسی لئے، اِن دونوں (سنگھ پریوار و نرسمہا راؤ) سے مسلمانوں کی ناراضی، اپنے شباب پر تھی۔

جس کا سلسلہ، اب تک، جاری ہے۔

نرسمہا راؤ لابی کو، اِس کی سخت فکر، لاحق ہوئی کہ مسلمانوں کی شدید ناراضی، کانگریسی کشتی کو، لے ڈوبے گی۔

۱۹۹۶ء کا پارلیمانی الیکشن، اس کے لئے موت و زیست کا سوال تھا۔

اور کچھ، ایسا ہی ہُوا بھی کہ مسلمانوں نے ۱۹۹۶ء کے پارلیمانی الیکشن میں، کانگریس کو، ایسا سبق سکھایا کہ، مدتوں، وہ سبق، اسے یاد، رہے گا۔

۱۹۹۹ء کی بات ہے کہ دہلی کی ایک ملاقات میں، جب، مسٹر، ملائم سنگھ یادو، صدر سماج وادی پارٹی سے، بعض مسلم مسائل پر، مَیں، گفتگو کر رہا تھا، تو، دَورانِ گفتگو، انھوں نے ایک موقع پر، کچھ جُھلّا کر، کہا کہ:

ہم سے ہی، سارا حساب، آپ لیں گے؟ کانگریس سے حساب نہیں لیں گے؟

میں نے، بَرجستہ اور بلا تکلّف جواب دیا کہ:

لے لیا ہے اس سے حساب۔ جبھی تو سڑک پر، گھوم رہی ہے۔ اب، اس سے اور کیا حساب لیں؟

ملائم سنگھ نے بات کا رُخ، بدل کر، دوسری بات، شروع کر دی۔

کانگریس کی نرسمہا راؤ لابی نے ۱۹۹۵ء میں، پورے ملک کا، سَروے کرایا کہ:

ہندوستانی مسلمانوں کا، کون سا طبقہ، اکثریت میں ہے؟

سَروے کا مقصد، یہ تھا کہ: اس اکثریتی طبقہ کو، رام کر کے، ۱۹۹۶ء کا پارلیمانی الیکشن، کسی طرح، جیت لیا جائے۔

سَروے رپورٹ میں بتایا گیا کہ:

ملک میں ''بریلوی خانقاہی'' مسلمانوں کی تعداد، اسّی (۸۰) فی صد ہے۔''

بَس، پھر کیا تھا، کروڑوں روپے کا بجٹ، مختص ہو گیا کہ:

اس اکثریتی طبقے کے بعض، زیرِ دام آنے والے مذہبی حضرات کی خدمت میں مختلف ناموں اور مختلف طریقوں سے، نذرانہ، شکرانہ کی شکل میں، کچھ، پیش کرنے اور اپنی بات، آگے بڑھانے کا سلسلہ، شروع کیا جائے۔

رابطہ کی خدمت، انجام دینے کے لئے ایک ''پہنچے ہوئے مَہاشے جی''، منتخب ہوئے کہ:

با اثر مذہبی حضرات سے، رابطہ کر کے، انھیں، کانگریس کے حق میں، رام کریں۔

اس رابطہ کا سلسلہ، کہاں سے اور کیسے شروع ہوا؟ اور کیا کیا مَراحل، پیش آئے؟

یہ، تو، اندرونی بات ہے، جسے متعلقہ افراد ہی، جانتے ہوں گے۔

لیکن! باضابطہ مُہم، شروع ہونے سے پہلے، ایک روز، ایسا ہوا کہ:

لگ بھگ، مئی جون ۱۹۹۵ء میں، ایک نمائندۂ خصوصی، میرے آفس (ٹیا محل، دہلی) میں تشریف لائے۔

اور تھوڑی دیر، مسلم مسائل پر، گفتگو کرنے کے بعد، انھوں نے ارشاد فرمایا کہ:

کسی اطمینان کی جگہ، چلتے ہیں۔ تاکہ تفصیل سے کچھ گفتگو ہو سکے۔

چنانچہ، وہ، مجھے لے کر، پَرگتی میدان (نئی دہلی) پہنچے۔ اور، وہاں، ایک جگہ، بیٹھ کر، تمہیدی گفتگو کرنے کے بعد، انھوں نے فرمایا کہ:

''اہلِ سُنّت کی کوئی مضبوط و متحرک، ہندوستان گیر تنظیم، نہیں ہے۔

جب کہ: دیوبندیوں کی جمعیۃُ العُلما، پورے ملک میں، سرگرم ہے۔

مَیں، چاہتا ہوں کہ اہلِ سنّت کی ایک ایسی تنظیم بنائی جائے جو جمعیۃُ العُلما سے بھی، بڑی ہو۔

یہ کام، آپ کر سکتے ہیں۔ اور اس کے لئے فنڈ کی کوئی کمی نہیں ہوگی۔''

اس، بڑی پیش کش کے سننے کے ساتھ ہی، میری ''چھٹی حِس'' بیدار، ہو چکی تھی۔

میں نے جواباً، عرض کیا کہ:

''آپ کا خیال تو اچھا ہے۔ لیکن، چند ماہ بعد ہی پارلیمانی الیکشن کی ہَماہَمی، شروع ہونے والی ہے۔ اِس لئے بہتر ہے کہ:

ابھی، اِس بات کو، یہیں، رہنے دیں۔ اور الیکشن، ختم ہونے کے بعد، کسی روز، مل بیٹھ کر، تفصیلی گفتگو، کر لیتے ہیں اور ایک لائحۂ عمل بنانے کے بعد، کام، شروع کر دیا جائے گا۔''

میرا جواب، سن کر، وہ، کچھ زیادہ ہی، مُرجھائے نظر آئے۔ اور مجلس، برخاست ہو گئی۔

مَہاشے جی کا ایک روز، اچانک، میرے پاس، فون آیا اور بغیر کسی سابقہ ملاقات و گفتگو کے، بڑے تپاک سے، فلسفیانہ انداز میں سلسلۂ کلام، شروع کیا اور ایک گھنٹہ، بیس منٹ تک، گفتگو کرتے رہے۔

جس میں، خاص زور، اور اِصرار، اِس بات پر تھا کہ: نرسمہا راؤ سے، ملاقات کر لیجیے۔''

اس کے ساتھ ہی، بڑے مہذّب انداز میں (بَینَ السُّطُور)

کچھ خصوصی عنایتوں اور نوازشوں کی بھی، پیش کش تھی۔

میں نے، دوٹوک انداز میں، مَہاشے جی کو، جواب دیا کہ:

''بابری مسجد کی شہادت میں، کہیں نہ کہیں، اور کسی نہ کسی طرح سے:
نرسمہا راؤ کا بھی، ہاتھ ہے۔ اِس لئے، مَیں، راؤ سے ملاقات نہیں کرسکتا۔''

انھیں ایام (۱۹۹۵ء) میں، ایک صاحب، جو مِلّی مسائل میں، برسوں سے، دہلی میں سرگرم تھے، اردو صحافی بھی ہیں، وہ، میرے پاس (مٹیا محل، دہلی) آئے اور دیر تک، مجھ سے گفتگو کرتے رہے۔

انھیں بھی، میں نے، ٹکا سا جواب دیا۔ جس کے بعد، وہ، مایوس و نامراد، واپس لوٹے۔

صحافیِ مذکور، آج کل بھی، ذاکر نگر (جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵) میں چلتے پھرتے اور ٹہلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

ابھی، اِسی مارچ (۲۰۱۶ء) کے آغاز میں، وہ، اچانک، ایک روز، مجھ سے ملے۔ اور:

۱۹۹۵ء کی، اپنی کوشش اور ناکامی کا ذکر کرتے ہوئے کہنے لگے کہ:

''آپ، کسی طرح، قابو میں، نہ آسکے۔ ورنہ، آپ کے لئے معاملہ، بہت لمبا تھا۔''

عجز و نیاز کے ساتھ، بارگاہِ الٰہی میں سجدۂ شکر، ادا کرتا ہوں کہ:

اُس نے، اپنے ایک بندۂ ناتواں کو، ایک بہت سنگین امتحان میں کامیاب و بامُراد بنایا۔ اور:

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جُنبش میں
جسے غرور ہو، آئے، مجھے شکار کرے

دو ڈھائی ماہ پہلے ''عُلما و مشائخ بورڈ'' کے ایک نمائندۂ خصوصی، میرے پاس (دارُ القلم، دہلی) آئے اور، انھوں نے، انٹرنیشنل صوفی کانفرنس و سیمینار، بِالخُصوص، صوفی سیمینار کے تعلق سے گفتگو کی۔

سب کچھ، سننے کے بعد، میں نے، صاف الفاظ میں، اپنی شرکت سے، انکار کردیا۔

جب کہ اُس وقت تک، اِس صوفی کانفرنس و سیمینار کے تعلق سے کوئی چرچا تھا، نہ ہی لوگوں کو اس کے بارے میں، کچھ، علم تھا۔

خود، مجھے بھی، پروفیسر، طاہر القادری اور شری، نریندر مودی کی شرکت کا کچھ علم، نہ تھا۔

نمائندۂ خصوصی کی طرف سے، عدمِ شرکت کی وجہ پوچھے جانے پر، میں نے جواب دیا کہ:

''دہلی کے تیس (۳۰) سالہ، سیاسی و صحافتی تجربات و مشاہدات کی روشنی میں، یہ رائے، قائم کی ہے، اور، یہ فیصلہ، مَیں نے کیا ہے۔'' (کُھل کر، یہ کہنا، میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ: پلاننگ اور فنڈِنگ میں، مجھے کسی، بڑی لابی کا ہاتھ، معلوم، دے رہا ہے)

بعد کی ایک گفتگو میں اسی نمائندۂ خصوصی نے کہا کہ:

بورڈ کے صدرِ محترم، آپ سے ملاقات کے لئے، دارُ القلم، آنا چاہتے ہیں۔''

میں نے کہا کہ: وہ، میرے پاس تشریف لائیں۔ یا۔ مَیں، ان کے پاس جا کر، ملاقات کروں۔ یہ تو، بڑی اچھی بات ہے۔

مگر، اِس وقت، اِس موضوع پر، کوئی ملاقات و گفتگو، مناسب نہیں۔''

یہ جواب، میں نے اس لئے دیا کہ: اپنے فیصلہ اور موقف سے کسی قیمت پر، مَیں، دست بردار نہیں ہوسکتا تھا۔ اور، وہ، اپنی منزل کی طرف، اتنے آگے، بڑھ چکے تھے کہ قدم، پیچھے نہیں ہٹا سکتے تھے۔

ایسی صورت میں، اِس موضوع پر، کوئی ملاقات و گفتگو، نہ صرف، یہ کہ بے سود، رہتی، بلکہ خطرہ، اِس بات کا تھا کہ:

گفتگو کے کسی مَرحلے میں، کسی طرف سے، کوئی تلخی اور پھر، بد مَزگی، نہ پیدا ہوجائے۔

سیاسی پارٹیاں، جس کو، قریب کرکے، اس سے کچھ، کام لینا چاہتی ہیں، اُس کے مزاج و معیار کو، سامنے رکھ کر، ہی، کوئی بات کرتی اور تجویز پیش کرتی ہیں۔ یا۔ اُس کی تجویز پر غور کرتی اور اسے آگے بڑھاتی ہے۔

چنانچہ، مقدس شخصیات کے لئے، کوئی تقدُّس نُما عنوان، تیار کرتی ہیں۔

اور پھر، انھیں، اپنے دامِ فریب کا شکار، بناتی ہیں۔

جسے فریب خوردہ لوگوں کو سمجھنے میں، اکثر اوقات، کافی دیر ہوجاتی ہے۔ اور:

آنکھ، اُس وقت کھلتی ہے جب، وہ، کسی دَلدل میں پھنس چکے ہوتے ہیں۔

انٹرنیشنل صوفی کانفرنس و سیمینار (۱۷ر تا ۲۰ر مارچ ۲۰۱۶ء۔ نئی دہلی) کی تیاریاں، زور و شور کے ساتھ، جاری ہیں۔ ملکی و غیر ملکی، بہت سے عُلما و مشائخ کی آمد و شرکت کا، چرچا ہے۔

اس کے ساتھ ہی، عوام و خواص کے ذہنوں اور ان کی محفلوں میں، یہ سوالات بھی گردش، کررہے ہیں کہ:

(۱) سیکڑوں مدعو حضرات، بِالخُصوص غیر ملکی مندوبین کی آمد و رفت، فائیو اسٹار ہوٹلوں میں، ان کے، قیام و طعام اور متعلقہ اِنتظامات کے اِخراجات، کروڑوں میں ہیں۔

جس کے لئے مسلمانوں کے مالی تعاون اور چندے کی کوئی خبر نہیں۔

آخر، اتنی خطیر رقم اور اتنا بڑا فنڈ، کہاں سے آرہا ہے۔ یا۔ کہاں سے آئے گا؟

تعلیم و تجارت و صنعت و حرفت اور رفاہی اُمور کے لئے مختلف وزارتوں اور محکموں کی سرکاری مراعات اور طرح طرح کی اسکیموں سے فائدہ، اٹھانے اور فائدہ، پہنچانے کے قانونی اور جمہوری عمل کی بات، الگ ہے۔

اس کا، باضابطہ تحریری ریکارڈ، اداروں، تنظیموں، اور، وزارتوں و محکموں کے دفاتر میں، موجود ہوتا ہے۔

جنھیں، لینے اور دینے والے فریق، بلا جھجک، دوسروں کو، بتاسکتے ہیں۔

کسی بھی حکومت کی طرف سے، اِس طرح کا تعاون ملنا اور اسے حاصل کرنا، سارے ہندوستان میں رائج و معمول ہے۔ جسے، کوئی شخص، غلط اور بُرا نہیں، بلکہ، ہر شہری، ہر تنظیم، ہر طبقے کا حق، سمجھتا ہے۔

مگر، خالص مذہبی پروگرام، منعقد کرنے کے لئے کوئی بھی حکومت، کسی طرح کا بھی کوئی مالی تعاون، کرہی نہیں سکتی ہے۔

ہاں! صرف، ایک صورت ہے کہ:

بِلا حساب و کتاب کا بیسہ، جس طرح، ایم ایل اے اور ایم پی کے الیکشن میں پارٹیاں، خرچ کرتی ہیں۔
اور انتخابی امیدوار، اپنے ووٹروں پر، خرچ کرتے ہیں، اُس طرح کی، کوئی صورت، اختیار کی جائے۔

مگر، کہاں سے آرہا ہے؟ کہاں جارہا ہے؟ کتنا آرہا ہے اور کتنا جارہا ہے؟

لینے دینے والا کوئی فریق، اِس طرح کے سوالات کا جواب، کُھل کر، دینے کے لئے کبھی، تیار نہیں ہوتا۔

یعنی، مجموعی طور پر، کہا جا سکتا ہے کہ: غالباً:

''نامعلوم ذرائع'' کے کثیر سرمایہ سے، اِس صوفی کانفرنس و سیمینار، کا اِنعقاد، ہو رہا ہے۔''

اب، سوال، یہ پیدا ہوتا ہے کہ: تاریخ کے کسی دَور میں صوفیہ و مشائخ کے کسی طبقہ نے ''مشکوک، بلکہ، مذموم ذرائع'' سے تصوف کی، کبھی، کوئی خدمت کی ہے؟

اور، ایسی کسی خدمت کو، کسی صوفی مشرب میں، کبھی، رَوا، سمجھا گیا ہے؟

(۲) پروفیسر، طاہر القادری، بانیِ ادارہ منہاج القرآن، لاہور کے:

بعض مذہبی تجاوُزات و اِنحرافات، ایسے ہیں کہ:

پاکستان کے ذِمّہ دار و مُستند عُلما و مشائخ میں سے کسی ایک بھی، ایسی معروف و مُعتمد شخصیت، یا۔
کسی مرکزی سُنّی ادارے، مثلاً: دار العلوم حزبُ الاحناف، لاہور و جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور و انوار العلوم، ملتان، اور، دار العلوم امجدیہ، کراچی و دار العلوم نعیمیہ، کراچی وغیرہ میں سے، کسی کا نام، پیش نہیں کیا جا سکتا، جس کی کوئی تائید و حمایت، پروفیسر طاہر القادری کو، حاصل ہو۔ بلکہ اختلاف اور شدید ناراضی کا ماحول، پایا جاتا ہے۔

پروفیسر، طاہر القادری کے تعلق سے، کم از کم، جو بات، کوئی شخص، کہہ سکتا ہے وہ، یہ کہ:
''مشکوک و مُتّہم''، شخص، ہیں۔''

اور، مشکوک و مُتّہم شخص۔یا۔جگہ سے، دور رہنے کی، ہدایت ہے۔

جیسا کہ اہلِ سنّت کے بزرگ ترین عالم، شیخُ الاسلام، حضرت مولانا سید محمد مدنی میاں، اشرفی کچھوچھوی، دَامَ ظِلُّہُ العَالی نے، اپنے ایک (مُکالَماتی) تازہ بیان میں:

پروفیسر، طاہر القادری کے تعلق سے، یہی ہدایت، فرمائی ہے۔

ایسی صورت میں، پروفیسر، طاہر القادری کو، اِس کانفرنس و سمینار میں مدعو کرکے، خواہ مخواہ کے اِختلاف و اِنتشار کو، دعوت دینے، اور ہندوستان کے بے شمار عُلمائے اہلِ سنّت کو، ناراض کرنے کی ضرورت، کیا تھی؟

اور، یہ بھی ایک عجیب حادثہ ہے کہ (شہرتِ عامّہ کے مطابق) وہابیوں کی امامت، قبول کرنے والے پروفیسر، طاہر القادری کو، نہایت سختی کے ساتھ، اِنکارِ امامت کا اعلان کرنے والے بورڈ نے:

دعوت بِلا ضرورت و حاجت، دے کر، دورۂ ہند اور شرکتِ کانفرنس و سیمینار کی زحمت ہی، کیوں دی؟

(۳) وِگیان بھون، نئی دہلی، ایسی، وی آئی پی جگہ ہے، جہاں، شاید ہی:
اب تک، کسی مسلم تنظیم کا، کوئی پروگرام، ہوا ہو۔

اِس وِگیان بھون کے انتخاب کی حکمت و مصلحت، یہی سمجھ میں آتی ہے کہ:

شری، نریندر مودی، وزیر اعظم حکومتِ ہند، صوفی سیمینار کا، اِس وِگیان بھون میں اِفتتاح کرتے ہوئے اِفتتاحی خطاب بھی فرمائیں گے۔ جس کا مُنتظمین کی طرف سے، باضابطہ اعلان، ہو چکا ہے۔

جب کہ تصوف کانفرنس و سیمینار میں، کسی سیاسی لیڈر کی شرکت کی ضرورت ہی، کیا تھی؟

اور اگر، کچھ ضرورت، محسوس کی گئی تو، آخر، صرف، ایک سیاسی شخصیت کو، اِس پروگرام میں، مدعو کرنے اور، اسے خطاب کرنے کا موقع دینے کا مقصد اور اس کی خاص وجہ، کیا ہے؟

شری، نریندر مودی کو، بحیثیتِ وزیر اعظمِ ہند، مدعو کیا جا سکتا تھا تو، شری، کیجریوال (صدر ''عام آدمی پارٹی'') کو، بحیثیتِ وزیر اعلیٰ دہلی، کیوں، مدعو نہیں کیا گیا؟

اور بعض دوسری سیاسی پارٹیوں کے سربراہان کو بھی تو، مدعو کیا جا سکتا تھا؟

تنہا، شری، مودی کی شرکت و اِفتتاح و خطاب، ایسے سوالات کو، جنم دیتے ہیں، جن کا:
کسی کے پاس، کوئی جواب، نہیں۔

اِس کا مقصد، اس کے علاوہ، اور کیا ہو سکتا ہے کہ:

سیکڑوں عُلما و مشائخ کے جُھرمٹ میں، شری، نریندر مودی کی موجودگی، اور انھیں، خطاب کرتے ہوئے جب، کروڑوں لوگ، میڈیا کے ذریعہ، دیکھیں گے، سنیں گے، تو، وہ، نہ صرف، یہ کہ:

گجرات قتلِ عام ۲۰۰۲ء بھول جائیں گے۔ بلکہ بہت سے لوگوں کے نزدیک:

اِس طرح، قابلِ قبول،، ہو جائیں گے کہ:

شری، مودی کی کشش، انھیں نظریاتی مسلم دشمن، بھاجپا سے قریب کردے گی اور بھاجپا، مسلمانوں کے سیاسی حلقوں اور مسلم ووٹروں میں، اچھی طرح، اپنی گُھس پیٹھ، بنانے میں، کامیاب ہو جائے گی؟

ذرا، دل پر ہاتھ، رکھ کر، سوچیے کہ:

شری، نریندر مودی کی آؤ بھگت، اور محفلِ عُلما و مشائخ کو، خطاب کرتے ہوئے، دیکھ کر:
اُن مسلم خواتین، اُن ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کے دل پر، کیا گذرے گی؟
جن کی، وحشیانہ عصمت دری، ہوئی ہے؟
جن کے باپ، بھائی، بیٹے و دیگر اہلِ خانہ اور رشتہ داروں کو، بے رحمانہ درندگی کے ساتھ، شہید کیا گیا ہے؟
اور، اُن مسلمانوں کے دل پر، کیا گذرے گی؟

جن کے گھر کی، عفّت مآب خواتین کی عزت وآبرو، لوٹی گئی ہے؟

جن کے، اپنوں کو، نہایت بے دردی کے ساتھ، شہید کیا گیا ہے؟

جن کے گھر بار، لوٹے اور جلائے گے ہیں؟

جن کی دکانوں اور فیکٹریوں میں، آگ، لگائی گئی ہے؟

جن کی مسجدیں، شہید کی گئی ہیں؟

جنھیں، گھر سے بے گھر، اور ذلیل وخوار، کیا گیا ہے؟

جو، سسکتے، بلکتے، لرزتے، کانپتے ہوئے اپنے آنسوؤں کی زبانی، یہ فریاد کررہے ہیں کہ:

نشیمن پھونکنے والے! ہماری زندگی یہ ہے
کبھی روئے، کبھی سجدے کیے، خاکِ نشیمن پر

صوفی کانفرنس وسیمینار، نئ دہلی کے تعلق سے، ایک مختصر ترین تبصرہ، یہ ہوسکتا ہے کہ:

پروفیسر، طاہر القادری، پاک وہند کے مذہبی حلقے میں، ایک مخصوص بزمنہاجی جدّت پسندانہ شہرت کے حامل ہیں۔

شری، نریندر مودی، ہندو پاک کے سیاسی حلقے میں، اپنے قدامت پسند ہندتوا وادی نظریہ کے لئے مشہور ہیں۔ جو، بچپن ہی میں آر، ایس، ایس کے، ورکر ہوگئے تھے۔

اور، اِس کانفرنس وسیمینار کے پلیٹ فارم سے پروفیسر، طاہر القادری کو، مذہبی قائدِ اعظم، اور شری، نریندر مودی کو، سیاسی قائدِ اعظم کی حیثیت سے منظرِ عام پر لانا،

کسی پوشیدہ حکمتِ عملی کا مقصد، نہ ہو، تب بھی، اس کا نتیجہ، تقریباً، یہی نکلے گا اور ضرور نکلے گا۔

کاش! اِس صوفی سیمینار وکانفرنس کا، محدود پیمانے پر ہی سہی، اپنے وسائل وذرائع سے اِنتظام اور پھر، انعقاد کیا جاتا، تو، اِس طرح کے بہت سے سوالات، پیدا ہی، نہ ہوتے۔

اور سیمینار وکانفرنس کو، علما ومشائخِ اہلِ سنّت کی تائید وحمایت، عام طور سے، حاصل ہوتی اور بھر پور حاصل ہوتی۔

امامُ الھند، حضرت شاہ ولی اللہ، محدّث دہلوی اور بعض علمائے خانوادۂ ولی اللّٰھی عزیزی، دہلی کی کتب ورسائل میں تحریفات والحاقات کے مذموم عمل اور بعض فرضی وجعلی تحریرات، منسوب، بہ علمائے خانوادۂ ولی اللّٰھی عزیزی، دہلی کی نشان دِہی کر کے، حضرت شاہ رفیعُ الدّین، محدّث دہلوی کے نواسے کے پوتے، سید ظہیرُ الدّین احمد، عُرف سید احمد، ولی اللّٰھی، دہلوی نے:

اپنی ایک تحریر میں جس شعر پر، اپنی بات، ختم کی ہے، وہی شعر، نذرِ قارئین کر کے مَیں، اِس موضوع کی اپنی اِس تیسری تحریر کا اِختتام کرتے ہوئے سلسلۂ تحریر کو، موقوف کررہا ہوں کہ:

مَنَت آنچہ حق بود، گفتم تمام
تو دانی دِگر بعد ازیں، والسّـــــلام

انٹرنیشنل صوفی سیمینار وکانفرنس (نئی دہلی) کے سلسلے میں

بمبئ کی سنّی تنظیموں کا، وضاحتی بیان

انٹرنیشنل صوفی کانفرنس وسیمینار، نئی دہلی، جس کا، ۱۷ر سے ۲۰؍مارچ تک، اِنعقاد ہو رہا ہے۔

اُس کے بارے میں، مسلمانوں کے درمیان، طرح طرح کی باتیں، ہورہی ہیں کہ:

سیمینار اور کانفرنس میں، جو، کروڑوں کے اِخراجات ہوں گے، وہ، کہاں سے آرہے ہیں؟

تقریباً، سو (۱۰۰) غیر ملکی علما ومشائخ کی آمد ورفت اور فائیو اسٹار ہوٹلوں میں قیام وطعام کے اِخراجات، کون، ادا کرے گا؟ وغیرہ وغیرہ۔

یہ باتیں، لوگوں کے ذہن میں، اِس لئے بھی آرہی ہیں کہ:

ملک کے کسی بھی حصے سے، عوامی چندے کی کوئی خبر نہیں ہے۔

اس کانفرنس میں، پروفیسر، طاہر القادری بھی، شریک ہورہے ہیں۔

جن کے بعض خیالات ونظریات پر، پاکستان کے ذِمّہ دار اور بڑے بڑے علما ومشائخِ اہلِ سنّت نے سخت گرفت فرمائی ہے۔ اور کوئی بھی مستند اور ذِمّہ دار عالم، پروفیسر، طاہر القادری کی سرگرمیوں کو، پسند نہیں کرتا اور، نہ ان کی تائید وحمایت کرتا ہے۔

ان کی شرکت کی خبر سے، ہندوستان کے بھی بہت سے عُلما ومشائخِ اہلِ سنّت، سخت ناراض ہیں۔

شری، نریندر مودی، وزیرِ اعظمِ ہند، انٹرنیشنل صوفی سیمینار کا اِفتتاح کریں گے۔

اور سیمینار کو، خطاب بھی کریں گے۔

شری، نریندر مودی کی اِس شرکت اور خطاب کی خبر سے بھی، ملک بھر کے مسلمانوں کے درمیان، سخت غم وغصہ پایا جاتا ہے۔

پروفیسر، طاہر القادری اور شری، نریندر مودی کی شرکت کی وجہ سے ہی:

ہندوستان کے بڑے عُلما ومشائخِ اہلِ سنّت میں سے، کوئی بھی، شریک نہیں ہورہا ہے۔

ہمیں، مکمل یقین ہے کہ: اہلِ سنّت کے دینی وعلمی مراکز، بریلی شریف سے حضرت علّامہ مفتی اختر رضا، قادری، ازہری وحضرت مولانا سبحان رضا، سبحانی میاں اور جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے حضرت مولانا عبد الحفیظ عزیزی، سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور ضلع اعظم گڑھ، یوپی

وحضرت مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی صاحب اور حضرت مولانا مفتی نظام الدین رضوی مصباحی صاحب، **اِس سیمینار و کانفرنس میں، شریک نہیں ہو رہے ہیں۔**

جماعتِ اہلِ سنّت کے فروغ و اِستحکام میں سرگرمی کے ساتھ، حصہ لینے والی صدیوں عظیم وقدیم خانقاہیں، مارہرہ شریف سے حضرت سید محمد امین میاں قادری برکاتی، سجادہ نشین خانقاہِ برکاتیہ، مارہرہ شریف اور آپ کے چھوٹے بھائی، حضرت سید نجیب حیدر میاں قادری برکاتی، سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ نوریہ، مارہرہ شریف۔

اِسی طرح، کچھوچھہ شریف سے حضرت مولانا سید محمد مدنی میاں اور حضرت مولانا سید ہاشمی میاں، **اِس صوفی کانفرنس وسیمینار میں، شریک نہیں ہو رہے ہیں۔**

اس کے ساتھ ہی، ہمیں، یہ بھی یقین ہے کہ:

اِن حضرات میں سے کسی کا، نامزد نمائندہ بھی، شریکِ کانفرنس وسیمینار نہیں ہوگا۔

جو شخص بھی چاہے، وہ، مذکورہ حضرات سے رابطہ کرکے، اس کی تصدیق کرسکتا ہے۔

یہ تو چند نام ہیں۔ ان کے علاوہ بھی، بہت سارے **عُلما و مشائخِ اہلِ سنّت:**

شریکِ سیمینار و کانفرنس، نہیں ہوں گے۔

کیوں کہ: ہمارے خیال میں، اِس سیمینار و کانفرنس کے، جو، مذہبی وسیاسی نقصانات، مستقبل میں، ہوسکتے ہیں، اُن کے پیشِ نظر، اِن حضرات نے، اپنے اپنے طور پر:

شریکِ سیمینار و کانفرنس، نہ ہونے کا فیصلہ، فرمایا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ، ہر آنے والے خطرے سے ہندوستانی مسلمانوں کو، محفوظ رکھے۔

اوران کی ہر طرح، حفاظت فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

(مولانا) مقصود علی خاں، نوری، جنرل سکریٹری آل انڈیا سنّی جمعیۃ العلماء۔ (عالیجناب اَلحاج) محمد سعید نوری، بانی وسربراہ اعلیٰ، رضا اکیڈمی۔ (مولانا) خلیل الرحمٰن نوری، صدر آل انڈیا تنظیم ائمۂ مساجد۔ (مولانا) ولی اللہ شریفی، صدر شارحِ بخاری فاؤنڈیشن۔ (مولانا) امانُ اللہ رضا نوری، آل انڈیا ائمۂ مساجد کونسل۔ (مولانا) محمد اشفاق قادری، صدر آل انڈیا تنظیم عُلمائے اسلام، دہلی۔

جاری شدہ: ۱۲؍مارچ ۲۰۱۶ء

☆☆☆

ورلڈ صوفی فورم، نئی دہلی کی طرف سے

متحدہ قومیت کی تائید وتوثیق

طائروں پر، سحر ہے، صَیّاد کے اقبال کا
اپنی مِنقاروں سے حلقہ، کس رہے ہیں جال کا

☆☆☆

آنکھ نے دیکھا ہے جو کچھ، لَب پہ آسکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں، یہ صوفی! کیا سے کیا ہوجائیں گے

''آل انڈیا عُلما و مشائخ بورڈ'' کے تشکیل کردہ ''ورلڈ صوفی فورم''، نئی دہلی'' کے زیرِ اہتمام وانصرام، منعقد ہونے والے پروگرام ''اِنٹرنیشنل صوفی سیمینار و کانفرنس'' (اِفتتاح، بتاریخ ۱۷؍مارچ ۲۰۱۶ء ''وِگیان بھون'' نئی دہلی۔ و ۱۸/۱۹؍ بمقام ''انڈیا اسلامک کلچر سنٹر''، نئی دہلی وکانفرنس، بتاریخ ۲۰؍مارچ، بمقام ''رام لیلا میدان''، نئی دہلی) میں، صوفی فورم کا مطبوعہ ''اِعلامیہ'' (بزبانِ اردو وہندی وانگریزی) پڑھ کر، سنایا گیا۔ جس میں تحریر ہے کہ:

''آج، ۲۰؍مارچ ۲۰۱۶ کو، رام لیلا میدان، دہلی میں ہونے والے، آزاد ہندوستان میں ہندوستانی مسلمانوں کے، اِس سب سے بڑے عالمی اِجتماع میں:

جہاں، دنیا بھر کے تصوف کے نمائندے، موجود ہیں:

''آل انڈیا عُلما و مشائخ بورڈ'' ''ورلڈ صوفی فورم'' کے بینر تلے، یہ اعلان کرتا ہے کہ:

(۳) ہم، ہندوستان کی سالمیت کے تحفظ کے لئے:

''متحدہ قومیت'' کی تائید وتوثیق، کرتے ہوئے

فرقہ پرستی کی ہر قوت کی، مذمت کرتے ہیں۔''

(ص ۴ و ص ۵۔ ''اِعلامیہ''۔ ورلڈ صوفی فورم۔ زیرِ اہتمام: آل انڈیا عُلما و مشائخ بورڈ)

(۹) ہم، دنیا کی تمام حکومتوں سے، بِالعُموم، اور:

حکومتِ ہند سے، بِالخُصوص، مطالبہ کرتے ہیں کہ:

وہ، اِحْیَاے تصوف اور فروغِ تصوف کے لئے، ہر ممکن تعاون، دے۔"

(ص ۶۔ "اِعلامیہ"۔ "ورلڈ صوفی فورم" زیرِ اِہتمام "آل انڈیا علما و مشائخ بورڈ")

تصوف کے انداز ، بدلے گئے
نیا راگ ہے ، ساز، بدلے گئے

"اِعلامیہ" میں کُل، پچیس (۲۵) تجاویز و مطالبات ہیں، جن میں سے، کسی ایک میں بھی صوفیہ نے، اپنے آپ سے، کوئی مطالبہ کیا ہے، نہ ہی جماعتِ صوفیہ کے لئے، کوئی تجویز، پیش گئی کی ہے۔

صرف، ایک، آخری تجویز (نمبر ۲۵) عام مسلمانوں سے متعلق ہے کہ، وہ:
عورتوں کے ساتھ، حُسنِ سلوک اور ان کے حقوق کی پاس داری، کریں۔

باقی ساری تجاویز و مطالبات کا تعلق ، اُس حکومت و اِقتدار سے ہے ، اور اُس "حکومتِ وقت" کے دروازے پر، دستک، دی گئی ہے جو، صوفیہ و مشائخِ کرام کے:
دروازوں پر، دستک، دیا کرتی تھی اور "باریابی" سے محروم، رہا کرتی تھی۔ مثلاً:
بارگاہِ سلطانُ المشائخ، محبوبِ اِلٰہی، حضرت نظام الدین اولیا،
بدایونی ثُمَّ دہلوی۔ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ وَ اَرْضَاہُ عَنَّا۔

اور، جو، حاصل شدہ موروثی حکومت سے بھی، دست بردار، ہو جایا کرتے تھے۔ مثلاً:
سلطانُ التَّارکین، حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر، سمنانی
(کچھوچھہ مقدَّسہ) رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ وَ اَرْضَاہُ عَنَّا۔

ببیں تفاوتِ رَہ، از کجاست، تا بہ کجا؟

☆☆☆

اگر، نہ ہو تجھے اُلجھن، تو کھول کر، کہہ دوں
وجودِ حضرتِ صوفی، نہ روح ہے نہ بدن

اور ستم بالائے ستم، یہ کہ:
روحِ تصوف کو، پامال کرتے ہوئے "اِحْیَاے تصوف و فروغِ تصوف" کے نام پر حکومتِ وقت کے سامنے، دستِ سوال، دراز کر کے "ورلڈ صوفی فورم" کی جانب سے:
بہ بانگِ دہل، یہ اعلان بھی، کر دیا گیا کہ:
ہم، متحدہ قومیت کی تائید و توثیق، کرتے ہیں۔"

۲۱/ مارچ کے اردو اخبارات میں بھی، کانفرنس کی رپورٹ میں، یہی جُملہ، شائع ہوا کہ:
ہم، متحدہ قومیت کی تائید و توثیق، کرتے ہیں۔"

آئندہ سطور میں آپ، پڑھیں گے کہ قومیت، یا متحدہ قومیت، یا بھارتی قومیت کا مخصوص نظریہ، فرقہ پرست و مسلم دشمن تنظیم "آر، ایس، ایس" کا مشہورِ زمانہ نسل پرستانہ نظریہ ہے۔ جس کے مطابق، بھارت کی اصلی قوم، ہندو، اور صرف، ہندو ہے۔

"آر، ایس، ایس" (راشٹریہ سویم سیوک سنگھ) ایک نسل پرست اور انتہا پسند تنظیم ہے۔ جس کی بنیاد، ڈاکٹر، کیشو بلی رام، ہیڈ گوار نے ۱۹۲۵ء میں رکھی۔ اور اس کا مقصد، ایک مخصوص نظریۂ قومیت کے تحت، ایسا "ہندو راشٹر" قائم کرنا ہے، جو، آر، ایس، ایس سربراہ، شری، گولوالکر کے مطابق:

"ہندواستھان میں موجود، سبھی غیر نسلوں کو، ہندو تہذیب اور زبان، اختیار کر لینی چاہیے۔
یا۔ پھر، وہ، ملک میں "ہندو قوم" کے، تابع، رہیں۔ کسی چیز کا، مطالبہ، نہ کریں۔
ان کے ساتھ، کسی خاص برتاؤ کی تو بات ہی کیا، انھیں، مراعات کا بھی حق نہیں ہونا چاہیے۔
ان کے لئے،، اس کے علاوہ، کوئی دوسرا راستہ، ہونا ہی نہیں چاہیے۔
آئیے! ہم، غیر ملکی قوموں سے، اسی طرح نمٹیں، جس طرح:
قدیم قومیں، غیر ملکی قوموں سے، نمٹا کرتی تھیں۔
ہماری نسلی حمیّت ، ہمارے دَھرم کی ، دین ہے۔ اور ہماری تہذیب و تمدن ، ہمارے دَھرم کی، پیداوار ہیں۔
نسلی پاکیزگی کی بقا کے لئے، یہودیوں کا صفایا کر کے، جرمنی نے، دنیا کو چونکا دیا۔
یہ عمل، نسلی تفاخُر کی علامت، اور ایک مظہر ہے۔
جرمنی نے، یہ بھی، ثابت کر دیا کہ:
مختلف نسلوں اور ثقافتوں کا آپس میں ضم ہو جانا، اور ایک قوم بن جانا، ممکن ہے۔"

(We: Or our Nationhood Defined, Nagpur 1939)

انتہا پسند ہندو لیڈر، "ویر دامودر ساورکر" نے، جیل کے اندر "ہندوتوا" نامی کتاب لکھی۔
جو، شری، گولوالکر کی پسندیدہ اور آئیڈیل کتاب ہے۔ شری، گولوالکر لکھتے ہیں:
ہماری سنسکرتی (تہذیب و تمدن) "ویدک سنسکرتی" ہے۔ اور "راشٹر" اِن پانچ عناصر کا مجموعہ ہے:
(۱) دَھرم (۲) نسل (۳) تہذیب (۴) زبان (۵) جغرافیائی حُدود۔

"ساوَرکر" اور "گولوالکر" کے نظریات اور کوششوں کا ہدف "ہندوراشٹر" کا قیام ہے۔

جس کی بنیاد، "قومیت" یعنی "ہندوقوم" ہے۔

بھارتی قومیت، ہندوقومیت، متحدہ قومیت، یہ سب:

ہم معنی، اور مترادف الفاظ ہیں۔ جن کا مقصد ہے:

بھارت کے اندر، ایک نسل، ایک دھرم، ایک تہذیب، ایک زبان پر مشتمل، ہندوراشٹر کا قیام۔

"ہندوتوا" کے نظریہ سے، جو، متفق نہیں، وہ، قومی زندگی اور متحدہ قومیت کا حصہ نہیں۔"

مذکورہ پانچ عناصر کو، اپنا لینے والی قوم ہی، ہندوراشٹر، اور قومی زندگی کا حصہ، بن سکتی ہے۔

ورنہ، اسے تابع ومحکوم، بن کر، رہنا پڑے گا۔" (شری، گولوالکر کے خیالات ونظریات)

ڈاکٹر، امبیڈکر نے کہا تھا کہ:

"ہندوتوا" کی سیاست، لوگوں کو تقسیم کرنا ہے۔ اور اِس طرح، وہ:

ہندوستان کو، تباہ وبرباد کررہی ہے۔" (ڈاکٹر، امبیڈکر)

"آر، ایس، ایس" ورکر، "ناتھورام، گوڈسے" نے جب، ۱۹۴۸ء میں گاندھی کا قتل کیا تو:

پنڈت جواہر لال نہرو، وزیر اعظم حکومت ہند کی مرکزی کابینہ کے قدآور وزیر

شری، ولبھ بھائی پٹیل، مرکزی وزیر داخلہ نے، آر، ایس، ایس پر، پابندی، عائد کردی۔

جس سے آر، ایس، ایس لیڈر، گھبرا گئے۔

"انتہا پسندی" اور "ہندوراشٹر" کے قیام سے دلچسپی رکھنے والے شری، گولوالکر، اور

شری، شیاما پرشاد مکھرجی نے، باہمی تبادلۂ خیال کے بعد، ایک "سیاسی ہندو پارٹی" بنانے کا فیصلہ کیا۔

جس کے بعد، دہلی میں، ہم خیال لوگوں کے، ایک اجتماع، منعقدہ ۲۱/اکتوبر ۱۹۵۱ء میں:

"بھارتیہ جن سنگھ" کا، وجود ہوا۔ اِس جن سنگھ کا صدر، شری، شیاما پرشاد مکھرجی کو، بنایا گیا۔

یہی بھارتیہ جن سنگھ، ۱۹۸۰ء میں، بھارتیہ جنتا پارٹی بن گئی۔ جو، آج، مرکزی حکومت پر

قابض ہے۔ جن سنگھ سے بھاجپا (بھارتیہ جنتا پارٹی) تک، ہر ایک کا مقصد، صرف، یہ رہا ہے کہ:

سیاسی طاقت وقوت، حاصل کرکے، لوگوں کو، آر، ایس، ایس نظریات کا، ہم نوا بنایا جائے

اور "ہندوتوا" کی "راشٹریتا" (متحدہ قومیت) کے مطابق "ہندوراشٹر" کے قیام کی راہ، ہموار کی جاتی رہے۔

آر، ایس، ایس کے موجودہ سربراہ، شری، موہن بھاگوت نے:

۳/مارچ (۲۰۱۶ء) کو بیان، دیتے ہوئے کہا کہ:

نئی نسل میں، قوم پرستی کا جذبہ، پیدا کرنے کے لئے "بھارت ماتا کی جَے" کا نعرہ لگانے کی تربیت، دی جانی چاہیے۔"

قوم پرستی ونسل پرستی کے پرچارک، شری، ویر ساوَرکر، کو، اِسی مارچ (۲۰۱۶ء) میں:

کانگریس نے، غدار، قرار دیا ہے۔

"شرومنی اکالی دَل" (پنجاب) کے لیڈر، سمرن جیت سنگھ مان نے ایک بیان میں کہا ہے کہ:

"سِکھ" **بھارت ماتا کی جے** کا، نعرہ، نہیں لگا سکتے۔ کیوں کہ: سکھ مذہب کے ماننے والے

کسی طرح بھی، خواتین کی پوجا، نہیں کرتے۔ بلکہ، ماں کی طرح، ان کی عزت کرتے ہیں۔

"سکھ" وندے ماترم کا گانا بھی، نہیں، گا سکتے ہیں۔" (بیانِ سمرن جیت سنگھ مان)

آر، ایس، ایس نظریۂ "قومیت" و"متحدہ قومیت" کے مطابق:

بھارت کی نسل، قوم، تہذیب، زبان، سب کچھ، ایک ہے۔ اور، وہ ہے:

ہندی، ہندو، ہندوستان۔

باقی سب کے سب، اس کے اندر، اپنا وجود، ضم کرکے،

یا۔ تابع ومحکوم، بن کر، رہنا چاہیں تو رہ سکتے ہیں۔ ورنہ، اپنی اپنی راہ لیں۔

اب، اِس نظریۂ "قومیت" و"متحدہ قومیت" کو، سرکاری درباری لوگوں کی طرح:

ورلڈ صوفی فورم کی جانب سے، تحریری قبول وتسلیم اور تائید وتوثیق کا اعلان کیے جانے کے بعد، اس کے سِوا، اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ:

قُم بِاِذنِ اللہ! کہہ سکتے تھے جو، رخصت ہوئے
خانقاہوں میں مُجاوِر، رہ گئے، یا گورکن

یوروپی اقوام کا ملحدانہ نظریۂ وطنیت وقومیت ہو، یا۔ "ہندوتوا" کا نظریۂ وطنیت وقومیت۔

یہ دونوں نظریات، مسلمانوں کے لئے، قابلِ قبول نہیں۔

اسلام نے اپنے ماننے والوں کے لئے اُمّت اور مِلّت کے الفاظ، استعمال کیے ہیں۔

جو اہلِ اسلام کا تشخص اور ان کا تعارف ہیں۔

کسی دوسرے مذہب والوں کے لئے لفظِ امّ،ت یا۔ مِلّت کے استعمال کو، استثنائی

اور عُبوری عمل کہا جائے گا۔ کیوں کہ صدیوں سے،

یہ الفاظ واِصطلاحات، اہلِ اسلام کے لئے، خاص ہوچکے ہیں۔

ان الفاظ سے اہلِ اسلام کی دینی وحدت، ظاہر ہوتی ہے۔ان کی شناخت، واضح ہو جاتی ہے۔ قرآن وحدیث میں اہلِ اسلام کے لئے لفظ اُمَّت، یا۔ لفظِ مِلَّت، وارِد ہے۔

قوم، اگرچہ، عربی زبان کا لفظ ہے، لیکن، اس سے یہ مفہوم، ادا نہیں ہوتا۔ اس کا اطلاق، صرف مجموعۂ اَفراد پر ہوتا ہے۔ البتّہ فارسی اور اردو زبان میں لفظِ قوم کے اندر، عمومِ مذہبی بھی پایا جاتا ہے۔ مثلاً: قومِ مسلم، قومِ نصاریٰ، قومِ مجوس، قومِ ہنود، قومِ یہود۔

جب، سیاسی، سماجی، صحافتی، کسی بھی شعبۂ حیات میں آج کوئی مسئلۂ قومیت، زیرِ بحث ہی نہیں تو، اسے چھیڑنے کی ضرورت ہی کیا تھی، جس کے بعد، تشقیق وتاویل کی لاحاصل زحمت اٹھانی پڑے؟

آر، ایس، ایس کی نظریاتی یلغار نے جس طرح متعدد سابقہ حقائق کی صورت، مَسخ کرڈالی ہے، یہی حال، متحدہ قومیت کا ہے۔ اور جب سابقہ الفاظ واصطلاحات کے معانی ومفاہیم، بدل جائیں تو سابقہ کتابی حوالے بھی قصۂ پارینہ بن جاتے ہیں۔

سیکولر افراد، اب متحدہ قومیت کی اصطلاح سے بے نیاز ہو چکے ہیں۔

ایسی صورت میں ''متحدہ قومیت'' کے مفہوم ومراد کو واضح کرنے والے کسی سابقہ لاحقہ کے بغیر، اسے استعمال کرنے کا متبادر معنی ومفہوم، وہی ہوگا جس کا آر، ایس، ایس نے ہر سطح پر چرچا اور پروپیگنڈہ کر رکھا ہے۔ اور اس سے متصادم کوئی سابقہ کتابی حوالہ، کچھ مفید نہیں ہوگا۔

''اِعلامیہ'' کا کوئی بھی باشعور وباخبر قاری، جب، غائرانہ نظر سے اُس دفعہ کا مطالعہ کرے گا جس میں متحدہ قومیت کی پُرزور تائید وتوثیق کی گئی ہے، تو اُس کا ماتھا، ٹھنکے گا کہ:

اس کی کیا ضرورت تھی؟ اسے لکھنے کی تحریک کیوں اور کیسے ہوئی؟ اس کے پس پردہ، کون سا ذہن، کارفرما ہے؟ کس داعیہ کے تحت، یہ دفعہ، اس اعلامیہ میں، بڑے اِہتمام کے ساتھ، شامل کی گئی ہے؟ **کون سا داخلی جذبہ، یا۔ خارجی محرک، اس کے اندر، کارفرما ہے؟**

بالخصوص! ایسی صورت میں جب کہ، یہ اِعلامیہ، اُس انٹرنیشنل صوفی سیمینار وکانفرنس کا نتیجہ ہے، جس کے پیچھے، عام تأثر وتبصرہ کے مطابق، شری، نریندر مودی اور بھاجپا کا ہاتھ ہے؟ جس کا ایک نہایت افسوسناک نمونہ، عملی طور پر، واضح شکل میں بھی مسلمانوں کے سامنے آچکا ہے کہ:

صوفی سیمینار (بتاریخ ۱۷ر مارچ۔ بمقام وِگیان بھون، نئی دہلی) میں ''بھارت ماتا کی

جَے'' کا نعرہ لگایا گیا جس پر، مداہنت آمیز مصلحت کی چادر، اب تک پڑی ہوئی ہے۔

اگر، ۲۰ر مارچ کو، صوفی کانفرنس (رام لیلا میدان، نئی دہلی) میں بھی اِظہارِ ندامت کے ساتھ، صحیح شرعی موقف، بیان کر دیا جاتا، تب بھی کچھ تلافی ہو جاتی اور ایک حد تک اس کا کفّارہ، ادا ہو جاتا۔ مگر، افسوس کہ ایسا کچھ نہ ہو سکا۔ اور اب تک، خاموشی ہی خاموشی ہے۔

متحدہ قومیت کی تائید وتوثیق سے متعلق دفعہ، اس طرح بھی بیان کی جاسکتی تھی کہ:

ہم، بحیثیت، قومِ مسلم، اپنے وطن، اپنے ملک، ہندوستان کی وحدت وسالمیت،
اور اس کی ترقی واِستحکام میں، اپنا بھرپور، کردار، ادا کرتے، رہیں گے۔''

اس کے بجائے ایک ایسی بات، جس کا کوئی چرچا، بلکہ کوئی ذکر بھی نہیں، اُسے ضبطِ تحریر میں لاکر، ایک نئی بحث کا دروازہ کھولنے کی مصلحت، ناقابلِ فہم ہے۔

اور اِفادیت کا تو، دور تک بھی کوئی تصور نہیں کیا جاسکتا۔ کیوں کہ ''قومیت'' ہو کہ ''متحدہ قومیت'' ان سب کا مفہوم ومراد، سنگھ پریوار کے نزدیک، ایک ہی ہے۔ اور وہ ہے: **ہندو قوم۔**

صوفی سیمینار (۱۷ر مارچ بمقام: وِگیان بھون، نئی دہلی) میں، شری، نریندر مودی کے خطاب کے وقت، تقریباً، دو درجن مدعوسامعین وحاضرینِ سیمینار نے ''بھارت ماتا کی جَے'' کا نعرہ لگایا پھر، صوفی کانفرنس (۲۰ر مارچ، بمقام ''رام لیلا میدان''، نئی دہلی) میں ''ورلڈ صوفی فورم'' کا مطبوعہ اِعلامیہ، (بزبانِ اردو، ہندی اور انگریزی) پڑھتے ہوئے متحدہ قومیت کی تائید وتوثیق کر دی گئی۔ اور، نہ کسی کا شعور جاگا، نہ کسی کی غیرت، بیدار ہوئی، نہ کسی کے ضمیر نے کچوکے لگائے، نہ کسی نے کچھ جُنبش کی، نہ کسی کے لَب ہلے، **نہ ہی کسی نے زبان کھولی کہ، وہ، یہ کہہ سکے کہ:**

اتنا، نہ سر جُھکاؤ کہ دستار، گر پڑے

ایک ٹی وی چینل کو، انٹرویو (مؤرخہ ۱۷ر مارچ۔ اے بی پی نیوز چینل) دیتے ہوئے انٹرنیشنل صوفی کانفرنس کے مقررِ خصوصی، پروفیسر، طاہر القادری، بانیِ مِنہاجُ القُرآن، لاہور نے، مسلمانوں کے لئے ''وَندے ماترم'' اور ''**بھارت ماتا کی جَے**'' کہنا، **صحیح اور درست، ٹھہرایا۔**

کچھ دنوں بعد، کیا ''**سَرسوتی وندنا**'' کو بھی، صحیح ودرست ٹھہراتے ہوئے، **ماتر بھومی، کالی ماتا، دُرگا ماتا، گئو ماتا، اور گنگا مَیّا کی، جَے جَے کار ہوگی؟ اور ان کے بھی، نعرے، لگائے جائیں گے؟**

معَاذَاللهِ رَبِّ الْعَالَمِین۔

بجھی عشق کی آگ، اندھیر ہے

”تصوف“ نہیں، راکھ کا ڈھیر ہے

صوفی سیمینار میں، جب ”بھارت ماتا کی جَے“ کے نعرے، لگ رہے تھے، تو، کیا:
اسٹیج نشین عُلما و مشائخ میں سے، کسی کو، بھی، اَللہ رَبُّ الْعِزَّۃِ وَحْدَہٗ لَا شَرِیکَ لَہٗ نے، یہ توفیق، نہیں بخشی کہ وہ، اُٹھ کر، اِس اعلانِ حق کا فریضہ، انجام دے کہ:
ہم مسلمانوں کے لئے ”بھارت ماتا کی جَے“ کا نعرہ، کسی طرح بھی، قابلِ قبول نہیں۔
رہ گئی بات، حُبُّ الْوطنی اور وطن دوستی کی، تو آیئے ہم سب مل کر، بآوازِ بلند، یہ نعرہ لگاتے ہیں کہ:
ہندوستان! زندہ باد۔ ہندوستان! پائندہ باد۔“
اور، جب، صوفی کانفرنس میں ”اِعلامیہ“ کے ذریعہ، علانیہ:
”متحدہ قومیت“ کی تائید و توثیق کی جارہی تھی، تو کیا:
سیکڑوں اسٹیج نشین عُلما و مشائخ میں سے، کسی کے علم و فہم و فکر میں، یہ بات، نہ آئی کہ:
آر، ایس، ایس کا، یہ ایسا بنیادی نظریہ، ہم پر، مسلّط کیا جارہا ہے۔ جس میں خود، ہمارے وجود کی نفی ہے؟
اگر، اسٹیج نشین عُلما و مشائخ میں سے، کسی کو بھی، اس کا احساس و ادراک نہیں ہوا، تو، یہ حادثہ:
منصبِ علم و مَشِیخَت و قیادت کی، صریح توہین۔ اور قوم و مِلّت کے وقار و عزت و عظمت، بلکہ اس کے وجود کے ساتھ، سنگین مذاق ہی نہیں، بلکہ کُھلا ہوا فریب بھی ہے۔
علمِ بے بصیرت اور عقلِ بے توفیق کے بعض حاملین، یا۔ کچھ فریب خوردگانِ طلسمِ مودی، اور، آر، ایس، ایس کے بہت سے ایجنٹ، کہہ رہے ہیں کہ:
مسلمان، اپنے وطن کو ”مادرِ وطن“ بلا تکلّف کہتے اور لکھتے ہیں۔ اپنے تعلیمی ادارہ کو، فخر سے ”مادرِ علمی“ کہتے اور لکھتے ہیں۔ پھر، انھیں ”بھارت ماتا کی جَے“ کہنے میں، تکلّف و تذبذُب، اِجتناب و احتراز، اور اِنکار و عار، کیوں ہے؟ اور اس پر، شور و ہنگامہ، اور واویلا، کیوں مچایا جارہا ہے؟
ہاں! مسلمان، اپنی درس گاہ کو، مادرِ علمی اور اپنے پیدائشی وطن کو، مادرِ وطن کہتے اور لکھتے ہیں۔ مَحَلُّ الْوِلَادَۃ، اور مَسْقَطُ الرَّأس بھی، کہتے اور لکھتے رہتے ہیں۔ جس میں:
صرف، جذبۂ محبت کی کارفرمائیاں، جلوہ آرائیاں اور ہنگامہ خیزیاں، ہوتی ہیں۔
کہیں سے، کوئی شائبۂ شرک، نہیں ہوتا۔
کسی غَیرُ اللہ، کسی مخلوق کی، پرستش اور پوجا کا، دور دور تک، کوئی تصور نہیں ہوتا۔
کہیں سے، اور کسی طرح بھی، مسلمانوں کا عقیدۂ توحید، مجروح نہیں ہوتا۔

ان کے عقیدۂ وحدانیت پر، کہیں سے، کوئی آنچ، نہیں آتی۔
لیکن! کروڑوں معبودانِ باطل کے سامنے، صبح و شام، اپنا سر، خَم کرنے اور سجدۂ عبودیت، ادا کرنے والے، اور ”بھومی پوجَن“ (زمین کی پوجا) کرنے والے، جب کہتے ہیں کہ:
وَندے ماترم (ماں کی پوجا) سرسوتی وَندنا (ہندو عقیدہ کے مطابق، تعلیم کی دیوی، سرسوتی کی پوجا) کالی ماتا (ماں، کالی دیوی) دُرگا ماتا (ماں، دُرگا) گنگا مَیّا (ماں، گنگا) ماتر بھومی (ماں، زمین) بھارت ماتا (ماں، بھارت) تو، وہ، ان کی پوجا اور پرستش کے جذبات سے، سرشار ہوتے ہیں۔ ان کی رگ رگ میں، پرستش اور پوجا کی لہر، دوڑتی، رہتی ہے۔ اور، وہ، اِس پوجا کے نشے میں مخمور، ہوتے ہیں۔
کروڑوں غیر ہندو بھی، ہندوؤں کے اِس عقیدہ اور حقیقتِ حال سے، اچھی طرح، واقف ہیں۔
ایسے کسی تصور و نظریہ و عقیدہ کو، کہیں کا کوئی جاہل ترین مسلمان بھی، ایک لمحہ اور ایک آن کے لئے بھی، کیسے گوارا کرسکتا ہے؟ اور، کسی قیمت پر، وہ، اسے، کیسے، برداشت کرسکتا ہے؟
آر، ایس، ایس کے ایجنٹ، یا۔ طلسمِ مودی کے گرفتار، یا۔ کچھ فریب خوردگانِ علم و عقل، اپنے ڈوبتے وجود کو، سہارا دینے کے لئے، یہ بھی کہنے لگے ہیں کہ:
مادرِ وطن، زندہ باد کے جذبۂ محبت ہی کے ساتھ، بھارت ماتا کی جَے، کہنے میں کیا حرج ہے؟
مُشرکین کے عقیدۂ شرک کی مکمل نفی، کرتے ہوئے اور اپنے عقیدۂ توحید کا تحفظ، کرتے ہوئے، کوئی مسلمان، بھارت ماتا کی جَے، کہے، تو اس میں کون سی، شرعی قباحت ہے؟
مَیں، کہتا ہوں، اور پوری ذمّہ داری کے ساتھ، کہتا ہوں کہ:
علم و عقل سے پَرے ہے، یہ بات۔ اور اصل بات، کسی لفظ کی نہیں، بلکہ:
اس کے اندر، لپٹے ہوئے مُشرکانہ عقیدے کی، ہے۔
لفظ کا معنیٰ و مفہوم و مُراد، جو، کروڑوں مُشرکین کے درمیان، کشمیر سے کنیا کماری تک، رائج و مشہور ہے، اصل مسئلہ، اُس کا ہے۔ اُس کے استعمالِ عام کا ہے۔ اُس کے عُرفِ عام کا ہے۔
یہ بھی، واضح رہے کہ: ہَری دُوار (اتر پردیش) بنارس (یوپی) اور لیہہ (جموں و کشمیر) میں ”بھارت ماتا مندر“ کے نام سے مندر، موجود ہیں۔ جن میں ”بھارت ماتا“ کی پوجا ہوتی ہے۔
اور، اگر، کوئی مَسحورِ طلسمِ مودی، اِستعمالِ عام اور عُرفِ عام کو، مکمل، نظر انداز کرتے ہوئے مُنہ زوری، کرنے لگے کہ:
لفظِ حرام کا معنیٰ ہے: قابلِ حفاظت، محترم۔ جیسے اَلْمَسْجِدُ الْحَرَام۔

جو، قرآنِ حکیم میں بھی، وارِد ہے۔اسی محترم معنیٰ ومفہوم کالحاظ کرتے ہوئے:

کسی بھی، مقدس چیز اور مقام کی صفت، ''حرام'' ہوسکتی ہے۔

مَیں، کہوں گا کہ: آپ کی یہ بات، ایک حدتک، بالکل صحیح اور درست ہے۔

لیکن! وہ چیز، اور مقام تو، مقدس ہو؟

اِطلاعاً، عرض ہے کہ: ایک اور لفظ بھی عرب وعجم میں، ہرجگہ، رائج ومشہور ہے۔

جو، لفظِ حرام میں، یائے نسبتی کے اضافہ کے ساتھ، حرامی، بن جاتا ہے۔

اس لفظ حرامی کے استعمالِ عام وعُرفِ عام کو، نظرانداز کرتے ہوئے:

علمِ لُغت کا سہارا لے کر، وہی عدیمُ العِلم اور یتیمُ العَقل شخص، کہنے لگے کہ:

لفظِ حرامی کا، عُرفی نہیں، بلکہ، لُغوی معنیٰ، مراد لے کر (بلکہ کھینچ تان کر) کسی بھی محترم شخص کو حرامی، کہا جاسکتا ہے۔اس میں حرج کیا ہے؟ اور کون سی قباحت، اس کے اندر، شامل ہوجاتی ہے؟

جب کہ: قائل ومتکلّم، صاف وصریح الفاظ میں، کہہ رہا ہے کہ:

''میں نے اس کا، عُرفی نہیں، بلکہ لُغوی معنی، مراد لیا ہے۔میرے ذہن کے کسی بھی گوشے میں، اس کے عُرفی معنیٰ کا، کوئی شائبہ بھی نہیں ہے۔''

ایسے مَخبوطُ الحواس شخص سے کوئی سرپھرا، عام آدمی بھی، بلا کسی جھجک کے:

یہ کہہ سکتا ہے۔اور، اسے، کوئی روک بھی نہیں سکتا کہ:

پھر، اجازت دیجیے کہ آپ کے اِس خیال کو، عَملی شکل دینے کے لئے:

برسرِ عام، آپ کو، حرامی ہی نہیں، بلکہ حرام الدَّھر بھی کہا جائے۔(جس کی مُراد ومفہوم، یہی ہو کہ آپ، محترم۔ بلکہ اپنے زمانے کے محترم ومعظَّم شخص ہیں)

تو کیا، وہ شخص، کبھی، اس کی اجازت، دے سکتا ہے؟

مسلمان، اپنے وطن سے، اپنے ملک سے محبت کرتے ہیں۔اور، کرتے رہیں گے۔

اپنے وطن اور اپنے ملک سے اظہارِ محبت کے لئے ''ہندوستان! زندہ باد، پائندہ باد'' کا نعرہ لگاتے ہیں۔اور، لگاتے رہیں گے۔لیکن! کسی بھی مُشرِک کا نہ قول وعمل کے لئے:

نہ کبھی تیار ہوئے ہیں۔اور نہ کبھی تیار ہوسکتے ہیں۔

آر، ایس، ایس کا، یہ خیال اور، یہ اِصرار کہ:

جس لفظ کا، ہم، انتخاب واستعمال کریں، اُسی لفظ سے محبتِ وطن کا اظہار ہوگا۔اور، وہی لفظ،

وفاداریِ وطن کی سند، بن سکتا ہے۔کسی دوسرے لفظ سے، محبت ووفاداریِ وطن کا اظہار نہیں ہوسکتا۔

ایسا کوئی خیال واِصرار، ہندوستان کے، ہرغیر ہندوشہری کے لئے، قطعاً، ناقابلِ قبول، بلکہ، ناقابلِ توجہ ہے۔خود، کروڑوں جمہوریت پسند اور سیکولر ہندو بھی، اِس خیال واِصرار سے، سخت بےزار اور متنفّر ہیں۔

اور، یہ آر، ایس، ایس، کیا اور کون ہوتی ہے۔جو، کسی کی محبت ووفاداریِ وطن کا امتحان لے؟

اور، کون، اس سے محبت ووفاداریِ وطن کی سَنَد، مانگ رہا ہے؟

اور، کیا کوئی نعرہ، لگانا ہی، محبت ووفاداریِ وطن کی دلیل ہے؟

ذہن نشین رہے کہ حُبُّ الْوطنی کی دُہائی دینے والی آر، ایس، ایس نے تحریکِ آزادیِ وطن میں کسی طرح کا، کوئی حصہ نہیں لیا۔اور اس کے ایک نظریہ ساز لیڈر، ویرساوَرکر:

۱۹۲۳ء میں، انگریزوں کی خدمت میں، معافی نامہ، پیش کرکے، جیل سے باہر نکلے تھے۔

جنھیں، کانگریس پارٹی نے، اِسی ماہِ مارچ (۲۰۱۶ء) میں، غدار، قرار دیا ہے۔

کوئی مخصوص نعرہ لگانے کا خیال واِصرار اور مسلمانوں پر، اُسے تھوپنے کی کوشش، نہ صرف، یہ کہ غیرآئینی وغیر دستوری اور غیر جمہوری ہے، بلکہ، آر، ایس، ایس وبھاجپا نواز حلقوں کی سراسر، جارحیت ودہشت گردی ہے۔جسے صرف، مسلمان نہیں، بلکہ:

ہندوستان کے، دیگر کروڑوں باشندے بھی، برداشت نہیں کرسکتے ہیں۔

واضح رہے کہ: پارلیمنٹ وسپریم کورٹ نے بھی، اپنے کسی ہندوستانی، شہری کے لئے کسی مخصوص لفظ اور نعرہ کا، پابند نہیں بنایا ہے۔بلکہ، ہرایک کو، اُس کی صَوابدید اور اُس کی مرضی پر، چھوڑ دیا گیا ہے۔

آخر میں، ببانگِ دُہل، ہم، اپنے اِس موقف کا اظہار واعلان کررہے ہیں کہ:

اپنے عقیدہ ونظریہ کے خلاف، کوئی باشعور وباغیرت مسلمان، کبھی، کوئی نعرہ، نہیں لگاسکتا۔

ہندوستان! زندہ باد..... ہندوستان! پائندہ باد



یا اِلٰہی! یہ ماجرا کیا ہے؟

متحدہ قومیت، وَندے ماترم اور بھارت ماتا کی جَے

آر، ایس، ایس کے بنیادی نظریات کی ہم نوائی

کیا، اب بھی، اِس حقیقت کے اعتراف میں، کسی تذبذُب اور شک وشُبہ کی، کوئی گنجائش، باقی، رہ جاتی ہے کہ:

یہ زباں کسی نے خرید لی، یہ قلم کسی کا غلام ہے

زباں سے کہہ بھی دیا، لَاالٰــہ تو کیا حاصل؟
دل و نگاہ، مسلماں نہیں، تو کچھ بھی نہیں

☆☆☆

یٰسٓ اختر مصباحی
دارُالقلم، قادری مسجد روڈ
ذاکرنگر، نئ دہلی ۱۱۰۰۲۵
09350902937

مؤرخہ
۱۶/جمادی الآخرہ ۱۴۳۷ھ
۲۶/مارچ ۲۰۱۶ء
بروز شنبہ

خاکِ وطن سے محبت

اور، وَندے ماترم، وسَرسوتی وَندنا

تاکہ سَنَد، رہے

دسمبر ۱۹۹۸ء کی مطبوعہ تحریر

مسلمان ہی نہیں، بلکہ، ہر انسان کو، اپنے وطن سے، بِالعُموم فطری اُنسیت اور محبت، ہوا کرتی ہے۔ خاکِ وطن سے، اسے بے حد پیار ہوتا ہے۔ خاکِ گور کی طرح، خاکِ وطن کے اندر بھی، جَذب وکشِش ہوتی ہے۔ وطن سے دور، رہ کر بھی، نہاں خانۂ دل میں، وطن کی یاد، زندہ اور، اس کی محبت، تر وتازہ، اور جوان، رہتی ہے۔ گو، اہلِ وطن، اس کے ساتھ، کیسا ہی سلوک کریں:

وطن کے لوگ ستاتے تھے جب وطن میں تھے
وطن کی یاد ستاتی ہے، جب وطن میں نہیں

وطن سے محبت اور وفاداری، کوئی نئی اور نادر چیز نہیں ہے۔ یہ انسانی خمیر کا جُز وِلازم اور اس کی طینت وسرِشت کا ایک اہم عنصر ہے۔ عرب وعجم، یعنی، ایشیا وافریقہ ویوروپ وامریکہ وآسٹریلیا کی اس میں، کوئی تفریق وتخصیص نہیں۔ قلبی، لسانی، قلمی، ہر رُخ اور ہر جہت سے، دنیا کے سارے انسان، عموماً، اپنے وطن سے محبت ووفاداری کا جذبہ، رکھتے اور اس کا اظہار واعلان بھی کرتے رہتے ہیں۔ اور دِفاعِ وطن کا جب، کوئی سخت مرحلہ، پیش آتا ہے تو، وہ، شمشیر بدست اور سربکف، بھی ہوجاتے ہیں۔

صرف دِفاعِ وطن نہیں، بلکہ، تعمیر وترقیِ وطن کے لئے بھی، وہ، اپنی اِستعداد وصلاحیت کے مطابق، شب وروز، کوشاں، اور ہمہ تن، مصروف رہتے ہیں۔ کیوں کہ:

اپنے وطن کی تعمیر وترقی میں، جذبۂ محبتِ وطن کے ساتھ ساتھ، خود، ان کی:
اپنی ترقی وکامیابی کا راز بھی، پوشیدہ ہے۔

ہاں! مذہبی نقطۂ نظر سے سارا عالَمِ اسلام، کیا عرب کیا عجم، ہر جگہ، اور ہر خطّے کے مسلمان، مکۂ مکرّمہ اور مدینہ منوّرہ کو، رُوئے زمین کا افضل ترین حصہ مانتے ہیں۔ اور حرمین شریفین (مکہ ومدینہ) ان کی نظر میں، سب سے بہتر، سب سے اعلیٰ، سب سے افضل اور سب سے محبوب سرزمین ہے۔ کیوں کہ: ان، دونوں مقاماتِ مقدسہ کے سینے، اور، ان کے جوارِ قُدس میں

آیاتِ بینات وشعائرُ اللہ کے، اَن گنت نقوش، اور بابرکت خزانے، موجود ومحفوظ ہیں۔

پیغمبرِ اسلام، حضرت محمد رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کی ولادتِ طیبہ اور، وصالِ مبارک، اسی سرزمین سے وابستہ ہے۔ قرآنِ حکیم کا نُزول، یہیں ہوا۔

بِنائے ابراہیمی، کعبۃُ اللہ، مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی، مسجدِ قبا، مقامِ ابراہیم، صَفا ومَروہ، مِنیٰ، عَرفات، مُزدلفہ، وغیرہ سے لے کر، جنتُ البقیع وجنتُ المعلیٰ تک، سب کچھ، تو، یہیں ہے۔

پھر، کوئی مسلمان، اپنے قلب ونگاہ اور اپنی امیدوں اور تمناؤں کا مرکز ومحور، اِس سرزمین کے علاوہ، **کسی دوسری سرزمین کو، کیسے بنا سکتا ہے؟**

ہم تو، صدیوں سے بابانگِ دُہل، اِس حقیقت کا اظہار واعلان کرتے چلے آرہے ہیں کہ:

خاکِ طیبہ از دوعالم، خوشتر ست
آں، خُنک شہرے، کہ آں جا، دِلبرست

ہیکلِ سلیمانی اور بیتُ اللحم (یوروشلم) کی سرزمین سے، پوری دنیا کے یہود ونصاریٰ بھی **تو، سب سے زیادہ، محبت کرتے ہیں؟**

چین اور جاپان وبَرما وتھائی لینڈ وغیرہ کے، بُدھسٹ بھی، تو، سرزمینِ گیا (صوبہ بہار) اور کپل وَستو (نیپال) سے، **والہانہ قلبی محبت وعقیدت، رکھتے ہیں؟**

اور خود، وہ، لاکھوں ہندو، جو، افریقہ ویوروپ وامریکہ وآسٹریلیا کے باشندے اور شہری ہیں، اُن کی محبت وعقیدت کے رشتے بھی، تو، کاشی واجودھیا، متھرا وِندرابَن، وہَری دُوار وتروپتی وغیرہ سے، جُڑے ہوئے ہیں؟ **اور گنگا جَل ہی کو، وہ، سب سے، مقدس پانی سمجھتے ہیں؟**

تو پھر، کس مؤرخ کے اندر، اتنی جُرأت، کس مفکر کے اندر، اتنی ہمت، اور کس سیاست داں کے اندر، اتنا دَم خَم ہے، جو، زمین سے جُڑے ہوئے، اِن تاریخی ومذہبی حقائق کو، نظر انداز کرسکے؟

شرک آمیز نظم ''وَندے ماترم'' کو، اترپردیش وگجرات وغیرہ میں، جونیئر ہائی اسکول تک کے طلبہ کے اوپر، لازم، قرار دیا جارہا ہے کہ:

وہ، روزانہ، صبح کے وقت، کلاسیں شروع ہونے سے پہلے ''وَندے ماترم'' پڑھیں اور دیوار پر آویزاں نقشۂ ہند پر، پھول مالا چڑھائیں۔

کسی نظم کے پڑھنے، نہ پڑھنے پر، حبُّ الوطنی کا مدار رکھنا، اور اسے مِعیار قرار دینا، صرف جہالت وحماقت نہیں، بلکہ جارحیت وانتہا پسندی کے مشتعل جذبات کی تسکین، غیر اکثریتی اقوام وطبقات کی تحقیر وتذلیل، اور:

ان کی حبُّ الوطنی کو، مشکوک ومشتبہ بنانے کی، ایک نہایت، شاطرانہ وعَیّارانہ سازش ہے۔

اور یہی، وہ، کردار ہے، جو، ابھی ۲۲؍اکتوبر (۱۹۹۸ء) کو، وِگیان بھون، نئی دہلی کے اندر، **صوبائی وُزَرائے تعلیم کی کانفرنس میں، کُھل کر، سامنے آیا۔**

اور، جس کے پسِ پردہ، چھپے ہوئے مذموم انتہا پسندانہ جذبہ اور ''ہندوتوا'' کو، شعبۂ تعلیم پر مسلَّط کرنے کا منصوبہ، بھانپ کر، غیر بھاجپائی وُزَرائے تعلیم نے ''سرسوتی وَندنا'' میں، شرکت سے، نہ صرف، انکار کیا، بلکہ، اس کے خلاف، کُھل کر، اِحتجاج بھی کیا اور صاف صاف، اِعلان کردیا کہ:

''سرسوتی وندنا'' کو، آڑ، بنا کر ''ہندوتوا'' کو، فروغ دینے اور اس کی جڑیں، مضبوط کرنے کی ہر سازش کا، ڈَٹ کر، مقابلہ کیا جائے گا۔ **اور اسے، کسی قیمت پر، برداشت نہیں کیا جائے گا۔**

وَندنا، پوجا اور عبادت کو کہا جاتا ہے۔ سرسوتی کو ''شِکشا دیوی'' (تعلیم کی دیوی) سمجھا اور مانا جاتا ہے۔ **''سرسوتی وَندنا'' کا مطلب ہوتا ہے ''شِکشا دیوی کی پوجا''**

اسی طرح ''وَندے ماترم'' کا مطلب ہوتا ہے کہ:

اے ماں! ہم، تیری، پوجا کرتے ہیں۔''

اب، دو دو چار کی طرح، ہر شخص، یہ سمجھ سکتا ہے کہ:

جب، اسلام کے نزدیک، **اللہ کے سِوا، کسی کی عبادت اور پوجا، شرک ہے، تو پھر:**

مسلمان، کسی مخلوق اور غَیرُ اللہ کی عبادت وپوجا پر مشتمل، کسی شرک آمیز نظم اور ترانہ کو ایک لمحہ کے لئے بھی، کیسے قبول کرسکتا ہے؟ اسے پڑھنا، اور اس پر، عمل کرنا، تو دور کی بات ہے۔

شرک سے بڑا ظلمِ عظیم، کسی توحید پرست مسلمان کی نظر میں، کوئی دوسرا، ہو ہی نہیں سکتا۔

۸؍نومبر (۱۹۹۸ء) کے روزنامہ، قومی آواز، نئی دہلی میں، تہاڑ جیل، دہلی کے:

ایک قیدی کا خط چھپا ہے۔ جس کے مطابق:

تہاڑ جیل کے، ساڑھے نو ہزار قیدیوں میں سے، دو ہزار قیدی، مسلمان ہیں۔

اور، سب کو ''پرارتھنا پریڈ'' (پوجا کی پریڈ) میں شریک ہونا، ضروری ہے۔

جو مسلمان قیدی، اس ''پرارتھنا پریڈ'' میں شرکت سے انکار کرے، اُسے جیل افسران، زَدوکوب کرتے ہیں۔ اور جبراً وقہراً، اُسے اس میں، شریک ہونا پڑتا ہے۔'' (ختم شد)

یہی، وہ، اصل منصوبہ ہے جس پر عمل کرنے کی تیاری، شروع ہوچکی ہے۔

دھونس، دَھمکی، طمع ولالچ اور مختلف حیلوں بہانوں سے اس کے لئے فضا بھی سازگار، بنائی جارہی ہے۔

آزادیِ ہند (اگست ۱۹۴۷ء) سے بہت پہلے (۱۸۸۲ء میں)، ایک بنگالی مصنّف ''بنکم چند چٹرجی'' نے ''آنند مٹھ'' کے نام سے، **ایک بڑا، زہریلا ناول، لکھا تھا۔**

جس میں، **مسلم مخالف جذبات کو، ناولانہ انداز میں محض فرضی بنیادوں پر، برانگیختہ کیا گیا تھا۔**

اور پورے ناول کا مجموعی تأثر، **غیر مسلم قاری کے ذہن پر، یہ، اُبھرتا ہے کہ:**

مسلمانوں کے خلاف، اُٹھ، کھڑے ہو جاؤ۔ ان کی عبادت گاہوں اور آبادیوں کو **تہس نہس کر دو۔ ان کا وجود، ختم کر دو۔ انھیں غلام، بنا کر، رکھو۔**

اور، یہ جذبہ، اپنی آنے والی نسل کے اندر بھی، منتقل کر دو۔

پھر، آن بان کے ساتھ، ہر بچہ، ہر جوان، ہر مرد، ہر عورت، یہ ترانہ، اور گیت گائے....

وَندے ماترم.....وَندے ماترم.........وَندے ماترم...............وَندے ماترم۔

''آنند مٹھ'' کے منظرِ عام پر آتے ہی، اس کے خلاف، بنگال اور دوسرے صوبوں میں **شور و ہنگامہ اور زبردست طوفان، اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔**

بیان و احتجاج کا طویل سلسلہ، شروع ہو گیا اور اس ناول کو، نفرت کا بیج بونے والا ناول، سمجھ کر **اکثر ہندوؤں نے بھی، اسے ناپسندیدہ قرار دیا۔**

''وَندے ماترم'' کے سلسلے میں، جگہ جگہ، بحثیں ہوئیں۔

اس کے خلاف، آزادیِ ہند سے پہلے ہی، نہ جانے کتنے مضامین لکھے گئے۔

سبھاش چندر بوس، پنڈت جواہر لال نہرو، ڈاکٹر رام منوہر لوہیا، جیسے لیڈروں نے بھی ''وَندے ماترم'' کے خلاف، اپنی رائے، دی۔

اور، اسے پڑھنے پر، زور دینے والوں کی، کُھلے الفاظ میں، مذمّت کی۔

پہلے تو خُفیہ طور پر، اور اب بعض صوبوں میں اور سینٹر میں، بھاجپائی حکومت، قائم ہو جانے کے بعد، تیزی کے ساتھ، علانیہ طور پر، سنگھ پریوار ''وَندے ماترم'' کو، پورے ہندوستان کے اسکولوں اور کالجوں میں، قومی ترانہ کے طور پر، پڑھائے جانے کی لگاتار، سرگرم کوشش کر رہا ہے۔

جس کے پسِ پردہ ''ہندوتوا'' کی بالا دستی کے علاوہ، ایک خاص سازشی جذبہ، یہ بھی پوشیدہ ہے کہ:

مسلم طلبہ، جب، اس کے پڑھنے سے انکار کریں گے، تو، دوسرے، وہ، طلبہ، جو، اُن کے ساتھی ہیں۔ اور ''وَندے ماترم'' پڑھنا، جن کے نزدیک، قومی افتخار کی علامت ہے، اُن کے دلوں میں مسلم طلبہ اور عام مسلمانوں کے خلاف، جہاں، ایک طرف، نفرت و دوری کا ذہن، پیدا ہوگا، وہیں، دوسری طرف، **ان مسلمانوں کی حبُّ الْوطنی پر، بھی سوالیہ نشان، لگ جائے گا۔**

اور، اِس طرح، کشیدگی اور تناؤ کی، وہ، فضا، پیدا ہو جائے گی، جس کے لئے، تقریباً، **پچہتر (۷۵) سال پہلے، ''سنگھ پریوار کی زیرِ زمین جد و جہد'' کا آغاز ہوا تھا۔**

اس کے علاوہ، ان سب سے بڑی بات، یہ ہوگی کہ:

مسلمانوں کی توحید پرستی کا عقیدہ، مجروح اور جذبہ، دن بدن، ماند پڑتا جائے گا۔

اور، چور دروازہ سے شرک کے داخلہ کا، ایک ایسا باب کھل جائے گا، جو:

آگے چل کر، ان کی توحید پرستی کی عمارت نہیں، بلکہ بنیاد کو بھی، کھوکھلا کر دے گا۔

اصل معاملہ، یہ ہے کہ مسلمانوں کا عقیدہ، ان کی تہذیب، ان کی زبان، اور ان کی ہر نشانی کو ملیامیٹ کرنے، اور انہیں، تعلیمی و ثقافتی اور تجارتی و اقتصادی، ہر سطح پر، ہر شعبہ میں پسماندہ بنا کر نمبر دو کا شہری بنانے کی، ایک منظّم سازش ہے۔ **اور اس کے لئے عارضی و مستقل تدابیر کی:**

جتنی قسمیں ہو سکتی ہیں، اُن سب کو، بَروے کار، لایا جا رہا ہے۔

مال و زَر، طاقت و قوت، اِختیار و اِقتدار کے بل بوتے پر، ترغیب و تشویق اور تخویف و ترہیب کی ساری ممکنہ صورتوں کو، بڑی مہارت و چابک دستی کے ساتھ، آزمایا جا رہا ہے۔

اور، بد قسمتی سے، **میر جعفر و میر صادق** کی، ہندوستان میں، نہ پہلے کوئی کمی تھی اور نہ ہی آج ہے۔ **ننگِ آدم، ننگِ دیں، ننگِ وطن**، پہلے بھی، کچھ لوگ ہوا کرتے تھے اور آج بھی ہندوستان کا کوئی صوبہ، اور سرزمینِ دہلی، **ایسے بدنصیب افراد سے خالی نہیں ہے۔**

غیرت مند اہلِ اسلام کا شیوہ، رہا ہے اور پوری تاریخِ اسلام، گواہ ہے کہ:

شرک سے مسلمانوں نے کسی بھی مرحلے میں، ایک لمحے کے لئے بھی، کبھی، سمجھوتہ نہیں کیا ہے۔

نہ ہی، اسلام نے کبھی، اس کی اجازت دی ہے کہ:

اللہ کی ذات، یا، اُس کی صفات میں، کسی کو، ایک لمحے کے لئے بھی، شریک کیا جائے۔

پیغمبرِ اسلام، حضرت محمد رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سامنے، **کفار و مشرکین نے، ایک بار، یہ تجویز، رکھی تھی کہ:**

آپ، ہمارے معبودوں کی پرستش کر لیں، ہم بھی، آپ کے اللہ کو، اپنا معبود، بنا لیں گے۔

تو، انھیں، یہ قرآنی جواب، ملا کہ:

قُلْ یٰاَیُّہَا الْکٰفِرُوْن. لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْن. وَ لَا اَنْتُم عَابِدُوْنَ مَا اَعْبُدْ. وَ لَا اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّم. وَلَا اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ. لَکُم دِیْنُکُمْ وَ لِیَ دِیْنٌ۔

ترجمہ: تم فرماؤ، اے کافرو! نہ، میں، پوجتا ہوں، جو، تم، پوجتے ہو۔ اور نہ، تم، پوجتے ہو، جو، مَیں، پوجتا ہوں۔ اور نہ، میں، پوجوں گا، جو، تم نے پوجا۔ اور نہ، تم، پوجو گے، جو، میں، پوجتا ہوں۔
تمھیں، تمہارا دین اور ہمیں، ہمارا دین۔''

پھر، ایسی شکل میں مسلمان، شرک آمیز نظم ''وندے ماترم'' کیسے پڑھ سکتے ہیں؟

جب کہ: ان کا دینِ اسلام، قطعاً، اس کی اجازت، نہیں دیتا ہے۔

اور، اب تو سارے مسلمانانِ ہند پر، فرض ہے کہ:

ان پر، تھوپے جانے والے ''وندے ماترم'' کی ہر کوشش کے خلاف، پوری طاقت سے آواز، اٹھائیں۔ اس کے لئے، پُر امن جد وجہد کریں۔ اور انھیں، جو، دستوری و آئینی حقوق حاصل ہیں، **ان کی روشنی میں، ہر مفید تدبیر، اختیار کریں۔**

اور، دلائل کے ساتھ، ثابت کریں کہ:

''وندے ماترم'' کا لازم کیا جانا، اقلیتی طبقات کو، آئینِ ہند کی طرف سے دی گئی مذہبی آزادی کے، صریحاً، خلاف ہے۔

اور کسی بھی حلقہ سے ''وندے ماترم'' کی حمایت میں، جو، بھی آواز اُبھرے، اُس کا معقولیت کے ساتھ، دستوری ضمانت کے ساتھ، قانونی دفعات کے ساتھ، سماجی حقوق کے ساتھ، **اور، مذہبی عقیدہ کے ساتھ، بھرپور مقابلہ کیا جائے۔**

اِس راہ میں، اپنے بیگانے کی کوئی تفریق، نہ کی جائے۔ اور صدائے حق وانصاف، بلند کرنے میں، توحید پرستی کا اظہار واعلان کرنے میں، کسی کی، کوئی پروا، نہ کی جائے۔ کیوں کہ:

اگرچہ، بُت ہیں جماعت کی آستینوں میں
ہمیں ہے، حکمِ اذاں، لَاالٰــــہ اِلَّا اللہ

(مطبوعہ ماہنامہ کنزُ الایمان، دہلی۔ شمارہ شعبان ۱۴۱۹ھ/دسمبر ۱۹۹۸ء۔ و ص ۳۰۴ تا ص ۳۱۰۔ نقوشِ فکر، مطبوعہ دہلی۔ ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء)

یٰسٓ اختر مصباحی
دارُالقلم، قادری مسجد روڈ،
ذاکر نگر، جامعہ نگر نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵
09350902937

مؤرخہ
۲۳/جمادی الآخرہ ۱۴۳۷ء
۲/اپریل ۲۰۱۶ء
بروز شنبہ

''آرایس ایس'' اور ''بھاجپا'' کی نظریاتی ہم آہنگی

تاکہ سَنَد، رہے

مئی ۲۰۰۴ء کی مطبوعہ تحریر

بھاجپا (بھارتیہ جنتا پارٹی) شروع ہی سے مسلمانوں کو، دعوت دیتی رہی ہے کہ:

وہ، ہمارے قریب آکر، دیکھیں، پرکھیں۔ ہم، مسلم دشمن اور فرقہ پرست نہیں ہیں۔

ہم، ہر ہندوستانی کو، برابر کا شہری سمجھتے ہیں۔

کسی کے ساتھ، تعصُّب وجانب داری اور بھید بھاؤ، نہیں کرتے ہیں۔

ہم، پورے ہندوستان اور سارے ہندوستانیوں کی ترقی وخوش حالی کے خواہاں، اور اس کے لئے کوشاں ہیں۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ، وہ، ہمارے کاندھے سے کاندھا مِلا کر، چلیں اور ہماری مدد کریں۔ ہمیں، اچھوت، نہ سمجھیں، اور نام نہاد سیکولر پارٹیوں نے ہمارے خلاف، جو، غلط پروپیگنڈہ، کر رکھا ہے، اُس کے شکار، نہ ہوں۔

سیکولرازم کے نام پر، ہم، قوم وملک کو، دھوکہ نہیں دیتے ہیں۔ مسلمان، سیکولر پارٹیوں کے بہکاوے میں، نہ آئیں۔''

چند سال پہلے، جب، شری، بنگارو لکشمن، بھاجپا کے صدر، منتخب ہوئے تھے، تو، انھوں نے:

بڑے زور وشور کے ساتھ، اپنی، اِس مُہم کا آغاز کیا تھا اور **مسلمانوں کو، بھاجپا کے قریب، لانے کی کوشش کی تھی۔**

آج کل، شری، ونکیا نائیڈو، صدرِ بھاجپا بھی، کچھ اِحتیاط کے ساتھ، یہی کام کر رہے ہیں۔

انھوں نے بھاجپا کے اقلیتی سیل کی طرف سے، دہلی میں ایک کانفرنس بھی منعقد کی تھی۔

اور مسلمانوں کو، بھاجپا کا پیغام، دیا تھا۔

نئی دہلی میں، ۲۵/فروری ۲۰۰۴ء کو، ایک ''اقلیتی ترقیاتی کانفرنس''، بھاجپا نے بڑی تیاری کے ساتھ کی جس میں مسلمانوں کی، اچھی خاصی بھیڑ تھی۔

وزیر اعظم، شری، اٹل بہاری واجپئی، وصدرِ بھاجپا، شری، ونکیا نائیڈو، اور مرکزی وزیر خزانہ، شری، جسونت سنگھ، وغیرہ نے اس کانفرنس کو، خطاب کیا۔

شری، واجپئی (وزیر اعظم) نے اپنی تقریر کے دَوران کہا کہ:

ہم، آپ کو دعوت دیتے ہیں۔ آیئے اور مل بیٹھ کر، مسائل پر، گفتگو اور بحث کر لیجیے۔

کوئی، ایسا مسئلہ نہیں، جو بات چیت سے حل، نہ ہو سکے۔ ہم، سب کی ترقی وخوش حالی چاہتے ہیں۔''

صدرِ بھاجپا، شری، ونکیا نائیڈو نے کہا کہ:

آپ، بھاجپا میں آئیں کہ نہ آئیں، یہ فیصلہ، ہم، آپ پر چھوڑتے ہیں۔ مگر:

واجپئی جی کو، ووٹ دیجیے اور انھیں، دوبارہ اِقتدار کی کرسی پر، بٹھائیے۔"
اسی انداز کی تقریر، دوسرے مقررینِ کانفرنس نے بھی کی۔
این، ڈی، اے (نیشنل ڈیموکریٹک الائنس) گورنمنٹ کے، مرکزی وزیرِ زراعت، چودھری، اجیت سنگھ (آنجہانی، چودھری، چرن سنگھ، سابق وزیرِاعظمِ ہند کے بیٹے) جو، اس سے مستعفی ہو چکے ہیں، وہ:
اس "**اقلیتی ترقیاتی کانفرنس**" کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:
"آج، بھاجپا، اقتدار میں ہے۔ وزیرِاعظم، بھاجپا کا ہے۔ این، ڈی، اے کی حمایت، اسے حاصل ہے۔
مگر، پردہ کے پیچھے، کنٹرول، آر، ایس، ایس کے ہاتھ میں ہے۔
اور آپ،، سن لیجیے کہ: آر، ایس، ایس کے فکر و نظریہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی ہے۔"
(ہفت روزہ "نئی دنیا"، نئی دہلی۔ شمارہ ۷/تا ۱۳/مارچ ۲۰۰۴ء)
بھاجپائی لیڈر، یہ بیان بھی، عام طور پر، دیتے رہتے ہیں کہ:
مسلمان، ہمارے پاس، آ رہے ہیں۔ اور ان کا، یہ بیان، ان کی "پروپیگنڈہ پالیسی" کا ایک حصہ ہے۔
کسی حکمراں پارٹی، یا۔ لیڈر کے پاس، کسی قومی، یا۔ نجی کام سے جانا، کوئی معیوب بات نہیں۔
اور بوقتِ ضرورت، ایسے لوگوں کے پاس، کسی کو بھی، جانا پڑتا ہے، یا۔ جانا پڑ سکتا ہے۔
اگر، جانے کا یہی مطلب ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن، اگر، جانے کا، یہ مطلب ہے کہ:
کسی حیلے بہانے سے، ان کی حمایت کرنے، یا۔ ان کی پارٹی میں شامل ہونے جا رہے ہیں تو، یہ، بالکل، غلط، بلکہ خلافِ واقعہ، بات ہے۔
اور جن سنگھ سے بھاجپا تک، اس جھوٹ کا، سنگھ پریوار نے **ہمیشہ، غیر اَخلاقی سہارا، لیا ہے۔**
۱۹۶۹ء یا ۱۹۷۰ء کی بات ہے۔ ریلوے گراؤنڈ، مئو ناتھ بھنجن (صوبہ اتر پردیش) میں، جن سنگھ کا ایک بہت، بڑا جلسہ ہوا تھا۔ اس کے خصوصی مقرر، شری، **اٹل بہاری واجپئی** اور شری، **بلراج مدھوک** تھے۔
اس جلسہ کے اناؤنسر نے اعلان کیا کہ:
مسلمان، اب، تیزی کے ساتھ، جن سنگھ میں، شامل، ہو رہے ہیں۔"
اس کے بعد، ایک گمنام مسلمان کو، بحیثیتِ مقرر، پیش کیا گیا اور اس نے جن سنگھ حامی، تقریر کی۔
جلسہ گاہ کے ایک کنارے، کھڑا ہو کر، میں بھی، یہ سب کچھ، دیکھ سن رہا تھا۔
میں نے تحقیق، شروع کی کہ: یہ مسلمان، کون ہے؟ تو معلوم ہوا کہ:
قریب کے قصبہ، گھوسی (ضلع اعظم گڑھ) کے، ایک شیعہ، اور جن سنگھ کے مقامی وَرکر ہیں۔
لکھنؤ میں شیعہ سنّی کشیدگی (اور یہ سوچ کر کہ کانگریس پارٹی میں، سنّی مسلمان، حاوی و غالب ہیں)

کی وجہ سے بہت سارے شیعہ، جن سنگھ میں، شامل ہو گئے تھے۔
اسی طرح، کانگریس سے، کچھ ناراضی اور مایوسی کے نتیجے میں، **پرانی دہلی کے کچھ مقامی مسلم لیڈر اور وَرکر بھی جن سنگھ میں شامل ہو گئے تھے۔ لیکن، آج تک:**
جن سنگھ، یا۔ بھاجپا کو، کبھی بھی، پورے ملک کے مسلمانوں کا، ایک فی صد بھی ووٹ، نہیں مل سکا ہے۔
کئی سال پہلے، میں نے ایک ہندی اخبار میں، شری، اٹل بہاری واجپئی کا ایک بیان پڑھا جس میں، انھوں نے جن سنگھ کی تشکیل کا سبب بتاتے ہوئے کہا ہے کہ:
جنوری ۱۹۴۸ء میں، جب، گاندھی جی کو، برلا مندر، نئی دہلی میں گولی، ماردی گئی تھی، تو:
آر، ایس، ایس کے خلاف، پورے ملک میں نفرت کا ماحول، پیدا ہو گیا اور اُس وقت کی نہرو حکومت نے آر، ایس، ایس پر، پابندی، عائد کر دی۔ پارلیمنٹ میں، آر، ایس، ایس کے خلاف، طرح طرح کی باتیں، ہوا کرتی تھیں۔
اُس وقت، آر، ایس، ایس کے ذمّہ داروں نے صلاح و مشورہ کر کے، فیصلہ کیا کہ:
اب، سیاسی طاقت، حاصل کرنا، بہت ضروری ہے۔ اور اس کے لئے ایک سیاسی پارٹی، بنانی ہی پڑے گی۔ جو، پارلیمنٹ اور سیاسی حلقوں میں، آر، ایس، ایس نظریات کی حمایت کرے اور اس پر، ہونے والے حملوں کا، دِفاع بھی کر سکے۔
چنانچہ، اِسی خیال و نظریہ کے تحت، شیاما پرشاد مکھر جی نے ۱۹۵۱ء میں جن سنگھ کی تشکیل کی۔
جس نے ۱۹۵۲ء کے پہلے پارلیمانی الیکشن میں حصہ لیا۔ اور رفتہ رفتہ، اس کی طاقت، بڑھتی چلی گئی۔"
جن سنگھ اور بھاجپا سے مسلمان، قومی و اِجتماعی حیثیت سے ہمیشہ، دور، رہے۔ کہیں کہیں، اپنے نجی مفاد و ضرورت، یا۔ مقامی مفاد و ضرورت و مجبوری کے تحت، کچھ مسلمان، اس کے ساتھ ہو گئے۔
اور اسے، ووٹ دے دیا تو: یہ، کوئی قابلِ ذکر، بات نہیں۔
جن سنگھ اور پھر، بھاجپا کے لئے مسلم ووٹ کی اپیل **محض، ایک نمائش اور سیاسی حربہ ہے۔**
جس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ مسلمان اور بھاجپا، دونوں، اِس حقیقت کو:
خوب اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ اور، اسی کے مطابق، یہ دونوں فریق، عمل بھی کرتے ہیں۔
آر، ایس، ایس، اپنے بنیادی نظریہ کے مطابق، **مسلمانوں کو، غیر ملکی قوم اور نمبر دو کا شہری سمجھتی ہے۔**
اسلام اور مسلمانوں کے خلاف، نفرت پھیلاتے رہنا، اس کی نظریاتی بنیاد ہے۔
اور انہیں، مطعون و مجروح کرتے رہنا، اُس کی مستقل پالیسی اور اس کا محبوب ترین مشغلہ ہے۔
جسے یقین، نہ آئے، وہ، ڈاکٹر، ہیڈ گوار، اور، ویر ساوَرکر، اور شری، گولوالکر جیسے علَم بَرادرانِ "ہندُتوا" کی مطبوعہ کتابیں اور تحریریں، پڑھ لے۔

اور، اگر، آسانی سے، نہ مل سکیں تو، نئی دہلی سے شائع ہونے والے، آر ایس ایس ترجمان ہفت روزہ (ہندی) ''پنچ جنیہ'' اور ہفت روزہ (انگریزی) ''آرگنائزر'' کا مطالعہ کر لے۔

خود بخود، سمجھ میں آجائے گا کہ:

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف، زہریلے خیالات ونظریات کی اِشاعت کو، آر، ایس، ایس اپنا کتنا بڑا فرض، سمجھ کر، کتنی توجہ اور دلچسپی کے ساتھ، یہ خدمت، انجام دیتی رہتی ہے۔

شری، اٹل بہاری واجپئی ہوں کہ، شری، ایل کے اڈوانی۔ شری، مُرلی منوہر جوشی ہوں کہ شری، ونکیا نائیڈو۔

شری، پرَمود مہاجن ہوں کہ شری، کلیان سنگھ۔ ان سب کی روح ''آر، ایس، ایس'' ہے۔

جس کا، یہ خود، بار بار، اظہار واعلان کر چکے ہیں۔

اب، ظاہر ہے کہ آر، ایس، ایس نظریات کی حامی ومبلغ اور اس کی سیاسی پارٹی، بھاجپا (سابقہ جن سنگھ) مسلم ووٹ، کیسے، اور کس بنیاد پر، حاصل کر سکتی ہے؟

یہ، اسے بھی معلوم ہے، اور مسلمانوں کو بھی، اچھی طرح، معلوم ہے۔

تو پھر، ووٹ کی اپیل کو، ایک نمائش اور سیاسی حربہ کے سِوا، اور کیا سمجھا اور کہا جا سکتا ہے؟

بھاجپا کا، یہ کہنا کہ: مسلمان، سیکولر کہی جانے والی پارٹیوں کے اِس پروپیگنڈہ کا شکار، نہ ہوں کہ:

بھاجپا، فرقہ پرست اور مسلم دشمن پارٹی ہے۔

یہ کتنی بے وزن اور مضحکہ خیز بات ہے۔ سیکولر پارٹیوں کے پروپیگنڈہ کو، مسلمان اور بھاجپا، دونوں، طاق پر، رکھیں، اور خود، یہ فیصلہ کریں کہ بھاجپا کیا ہے؟ تو:

اپنے خیالات ونظریات، ہی نہیں، بلکہ، اپنے عمل اور رَوِیّہ کی بنیاد پر بھی، دو دو چار کی طرح، واضح ہو جائے گا کہ:

بھاجپا، واقعی، ایک فرقہ پرست پارٹی ہے۔ اور اگر، وہ، فرقہ پرستی کی ڈگر سے ذرا بھی، دور ہٹنے لگے تو اس کا ''ہندوتوا ووٹ'' اپنے آپ کھسکنے لگے گا۔ جسے، اس نے کافی محنت سے اب تک، جمع کر رکھا ہے۔

اس فرقہ پرستی سے بھاجپا، اُس وقت تک، دور نہیں ہو سکتی جب تک، اس کی لگام:

''آر، ایس، ایس'' کے ہاتھ میں ہے۔ اور ''آر، ایس، ایس'' کو، ہرگز، یہ گوارا نہیں ہو سکتا کہ:

بھاجپا، اُس کے طے کردہ خطوط واصول سے، ایک اِنچ بھی، اِدھر اُدھر، ہٹنے کی کوشش کرے۔

جیسا کہ پچیس (۲۵) سال پہلے، جنتا پارٹی کے دَور میں، اس کا عملی نمونہ، پورے ملک کے سامنے آ چکا ہے کہ:

آر، ایس، ایس سے وفاداری نبھاتے ہوئے، آر، ایس، ایس حامی لیڈروں نے حکمراں جنتا پارٹی سے قطعِ تعلق، کر لیا۔ اور اِس وقت بھی حال، یہ ہے کہ:

بھاجپا، کچھ، ہلنے ڈولنے لگے تو، آر، ایس، ایس کی طرف سے فوراً لگام، کس دی جاتی ہے۔

اور، ابھی تک کی حقیقت، یہی ہے کہ:

آر، ایس، ایس کے اثر سے، خود کو آزاد کر لینا، بھاجپا کے بَس کی بات نہیں ہے۔ کیوں کہ:

بھاجپا کے جسم میں، آر، ایس، ایس کی نظریاتی روح، کارفرما ہے۔ جو، ہندو راشٹر کی علم بَردار ہے۔

اور، جسے، اسلام اور مسلمانانِ ہند سے، اندرونی بغض ونفرت وعداوت ہے۔

ہاں! کچھ نئے ووٹ پانے، یا۔ کرسیِ اِقتدار تک پہنچنے، یا۔ اسے برقرار رکھنے کے لئے، حکمتِ عملی کے طور پر، بھاجپا کو، آر، ایس، ایس کی طرف سے، بعض اُمور ومعاملات میں، وقتی رعایت اور چھوٹ مل جاتی ہے۔

جس کا نمونہ، بھاجپا کی موجودہ مرکزی حکومت ہے۔

جو، این، ڈی، اے (نیشنل ڈیموکریٹک اَلائنس) کے نام سے، اب تک، چل رہی ہے۔

یونیفارم سوِل کوڈ، رام مندر، دفعہ ۳۷۰ کی مانگ، اس نے صرف، ملتوی کی ہے۔ اسے ختم نہیں کیا ہے۔

لیکن! اپنے اِس وعدہ ومعاہدہ پر بھی، بھاجپا، قائم، نہ رہ سکی۔

این، ڈی، اے حکومت کے ابتدائی سال، دو سال تک، اس نے خاموشی برتی۔

پھر، اپنے بال و پر، اس نے پھڑ پھڑانا، شروع کیا اور ڈھکے چھپے الفاظ وانداز میں، اس نے:

وہ، سب کچھ کہا اور کیا، جسے وہ، پہلے سے کہتی اور کرتی چلی آ رہی ہے۔

کرسیِ وزارت، باقی رکھنے کی لالچ میں حلیف پارٹیاں، آخری سالوں میں، بے سُدھ، پڑی رہیں۔

اور ایسا لگا کہ اندر سے، ان کے اِحتجاجی جذبہ کو، مار مار کر، بے دَم، کر دیا گیا ہے۔

لکھنؤ سے دہلی تک کی بھاجپائی حکومت کی اصول پرستی اور نظم وضبط کے دعویٰ کا:

پورے ملک کو، عجیب وغریب تجربہ ہوا۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ: سیاسی پارٹیاں، عام طور پر، کتنی بے اصول وبدعنوان اور موقع پرست ہوتی ہیں۔

لیکن! کئی سال سے جاری تجربہ، بتا رہا ہے کہ:

اس میدان میں بھاجپا نے، سبھی سیاسی پارٹیوں کو، کافی پیچھے، چھوڑ دیا ہے۔

سازش، منافقت، بدعنوانی اور دوہرے کردار میں بھاجپا کا اِس وقت، پورے ملک میں، کوئی جواب نہیں۔

اِقتدار کی کرسی ملتے ہی، اس نے اپنے بیان کردہ سبھی سیاسی اخلاق واصول کا جنازہ، نکال دیا۔

سیکولر کہی جانے والی سیاسی پارٹیوں کا سیکولرازم بھی ایک ڈھکوسلہ، بن کر رہ گیا ہے۔ تاہم، ان پارٹیوں نے اپنی بنیاد، نفرت اور ''ہندوتوا'' کو نہیں بنایا ہے، نہ ان کی عمارت، مسلم دشمنی کی بنیاد پہ قائم ہے۔

اور نہ ہی، یہ ہندو راشٹر کا نعرہ، لگاتی ہیں۔ ان کے اندر، سیاسی اچھائیاں برائیاں، سب کچھ ہیں۔

مسلمانوں کے ساتھ، عملاً، یہ بھی، مساوات اور انصاف سے کام نہیں لیتی ہیں۔ اس کے باوجود،

ان پارٹیوں ،اور ہر اہم موڑ ،اور، ہر انقلاب کے وقت، ملک کے مجموعی سیاسی دھارے کے ساتھ، ہندوستانی مسلمان، جُڑے، رہے۔

کانگریس، جنتا پارٹی، جنتا دل، نیشنل فرنٹ، یونائیٹڈ فرنٹ، وغیرہ کی تاریخ، اس کی گواہ ہے۔

یہ سبھی پارٹیاں، اِس اعتبار سے مکمل ہندو ہیں کہ:

ان کی ہی اکثریت وغلبہ، ان سب کے اندر ہے۔ چھوٹے بڑے ہندو لیڈروں ہی کا، ان پر، اثر ہے اور، وہی، اپنی اپنی پارٹیوں کے عہدہ دار وممبر، نامزد کرتے ہیں۔

وہی، اسمبلی و پارلیمنٹ کا ٹکٹ، اپنی پسند کے مطابق، تقسیم کرتے ہیں۔

وہی، زیادہ مفادات ومراعات، پاتے ہیں۔ انھیں کا، بول بالا، رہتا ہے۔

مسلم لیڈروں کی حیثیت، ضِمنی اور ذَیلی ہوتی ہے۔ انہیں، کبھی اُبھرنے اور جَڑ، جمانے کا کوئی موقع نہیں دیا جاتا۔ **عام مسلمان، بے شمار سیاسی وسرکاری فوائد سے محروم اور دور، رکھے جاتے ہیں۔**

اس کے باوجود، ہر صوبے میں، انہیں، ہر الیکشن کے دَوران، مسلم ووٹ، ملتا رہتا ہے۔

جب کہ، بھاجپا سے مسلمان، قومی لحاظ سے، ہمیشہ، کوسوں دور، رہتے ہیں۔

اس کی وجہ، صاف، ظاہر ہے۔

یہ مسلمانوں کے نہیں، بلکہ بھاجپا قیادت کے غور وفکر کا مسئلہ ہے۔

اور سوال، یہ ہے کہ آخر، جب، **سبھی ہندو پارٹیوں کو، مسلم ووٹ، ملتا ہے تو بھاجپا کو، کیوں نہیں ملتا؟**

بھاجپا، سوچے بھی کیوں؟ آر، ایس، ایس سے **نظریاتی وابستگی ووفاداری کے تحت،**

جن سنگھ سے بھاجپا تک کی سوچی سمجھی آئیڈیالوجی اور پالیسی ہی، یہی رہی ہے کہ:

مسلمانوں کے خلاف، ہندوؤں کے دل میں نفرت کی آگ بھڑکاؤ۔ اسلام اور مسلمانوں پر، ہر وقت حملے کرو۔ تاکہ ہندو ووٹ بنک، مضبوط ہو۔ اور اس کی حمایت سے بھاجپا کے لئے الیکشن جیتنے، اور:

ہندتوا و ہندو راشٹر کی راہ، ہموار کرنے میں، زیادہ سے زیادہ، آسانی پیدا ہو۔

محض، دِکھاوے کے طور پر، کبھی کبھی، مسلمانوں کو، اپنی پارٹی کی طرف آنے کی دعوت دیتے رہو۔

تاکہ، دنیا کی آنکھوں میں، دھول، جھونکنے کا موقع، ملتا رہے کہ:

ہم، مسلمانوں کو، قریب کرنے کی بار بار کوشش کرتے ہیں۔ مگر، وہ، خود ہی، ہم سے، دور بھاگتے ہیں۔

ہم، سب کو ساتھ لے کر، چلنا چاہتے ہیں۔ مگر، مسلمان، ہماری آواز پر، کان نہیں، دَھرتے۔

ہم، جمہوریت پسند ہیں۔ سارے ہندوستانیوں کو، اپنے ساتھ، ملا کر رکھنا چاہتے ہیں۔

مگر، مسلمان، ہماری مخالفت پر، بلاوجہ، آمادہ، رہتے ہیں۔

بھاجپا کی قیادت میں چلنے والی این ڈی اے حکومت کو، کئی سال کا، ایسا وقت ملا کہ:

وہ، اپنی شبیہ کو، درست کر سکتی تھی۔ مسلمانوں کی تعلیمی وتجارتی پسماندگی، دور کرنے کے لئے مناسب اِقدامات، کر سکتی تھی۔ اور اس کی حلیف پارٹیاں، جو، سیکولرازم کی دعویدار ہیں، وہ، بھی، اس کا ساتھ، دیتیں۔

مگر، اس نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ جس کا سیدھا مطلب، یہ ہوا کہ:

بھاجپا، اپوزیشن پارٹی ہو، یا۔ رولنگ پارٹی (Ruling Party) ہو۔

اُس کا نظریہ اور، رَوَیَّہ، مسلمانوں کے تعلق سے، ہر حال میں، یکساں، رہے گا۔

وہ، اپنے اِقدامات سے، اپنے سابقہ کردار کی صفائی، اِس طرح، دے سکتی تھی کہ:

سیکولر پارٹیاں، مسلمانوں کے لئے محض، زبانی جمع خرچ کرتی ہیں۔ اور ہم، ان کے لئے، صرف، باتیں نہیں کرتے، بلکہ، **عمل کر کے، دکھا رہے ہیں کہ، ان سے ہمیں، کوئی دشمنی نہیں۔**

ہم، ان کی صحیح معنوں میں ترقی وخوش حالی چاہتے ہیں۔ اور ہم ہی، ان کے سچے ہمدرد اور خیر خواہ ہیں۔

مگر، اس نے اپنی پانچ چھ سالہ مدتِ حکمرانی میں ایسا کوئی قابلِ ذکر کام نہیں کیا۔ جس کی بنیاد پر، وہ، مسلمانوں سے، ووٹ مانگ سکے۔

یہاں، میں، دو اخباری بیانات، نقل کر دینا، مناسب سمجھتا ہوں۔ جنھیں، مسلم کنونشن اتر پردیش نے جاری کیا ہے۔ ان بیانات کے آئینے میں، مسلم رائے عامَّہ کا چہرہ، اچھی طرح، دیکھا جا سکتا ہے:

لکھنؤ۔ ۱۸؍ مارچ ۲۰۰۴ء۔

بھاجپا سے مل کر، مرکز میں حکومت، بنانے اور پھر، اس سے انتخابی سمجھوتہ کر کے، پارلیمانی الیکشن ۲۰۰۴ء کی تیاری کرنے والی سیاسی پارٹیاں، اب اپنی عوامی بنیاد اور اپنے ووٹروں کی حمایت سے محروم، ہو چکی ہیں۔

دفعہ ۳۷۰، رام مندر اور یونیفارم سِول کوڈ، جیسے دو چار، خود ساختہ مُدُّوں کو، ملتوی کرنے کا جھانسہ دینے والی بھارتیہ جنتا پارٹی، اپنے آر، ایس، ایس نظریات کو، ملک بھر میں، رائج و نافذ کرنے، اور:

ہندو راشٹر کی منزل تک، پہنچنے کے لئے، تیزی کے ساتھ، پیش قدمی، کر رہی ہے۔

جس کا، وِشو ہندو پَریشد نے، اپنے بارہ (۱۲) نِکاتی ایجنڈہ میں وضاحت سے، اعلان بھی کر دیا ہے۔

سنگھ پریوار کی اِس حکمتِ عملی کو، ہندوستان کے سیکولر اور امن دوست عوام، اچھی طرح، سمجھ رہے ہیں۔

اور، بھاجپا جیسی فرقہ پرست ومسلم دشمن پارٹی کو، وہ، کسی قیمت پر، قبول نہیں کر سکتے۔

۱۷؍ مارچ (۲۰۰۴ء) کو، مسلم کنونشن، یو پی کی، لکھنؤ میں ہونے والی ایک میٹنگ کے بعد، آج، اخبارات کے لئے جاری ایک بیان میں، مولانا یٰسین اختر مصباحی، مولانا محمد اقبال قادری، مولانا محمد ادریس بستوی اور مولانا غلام عبد القادر علوی، فاؤنڈر ممبران مسلم کنونشن نے، اِن خیالات کا اظہار کیا۔

ان حضرات نے، بھاجپا کی طرف سے مسلمانوں کو، رِجھانے اور وَرغلانے کی مُہم کے بارے میں
تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ: اس میں، اسے، کوئی کامیابی ملنے والی نہیں ہے۔
مسلمان، بھاجپا کو، اُس وقت تک، قابلِ توجہ نہیں سمجھیں گے، جب تک کہ، وہ:
آر، ایس، ایس سے اپنی وابستگی اور وفاداری، مکمل طور پر، ختم، نہ کرلے۔
اور، اس کا بظاہر، کوئی امکان نہیں کہ، بھاجپا، آر، ایس، ایس سے اپنی نظریاتی وابستگی، منقطع کر سکے۔
کیوں کہ: ایمرجنسی کے بعد، ۱۹۷۷ء میں، جنتا پارٹی کے اندر، ضم ہوجانے والی جن سنگھ نے:
جنتا پارٹی، یا۔ آر، ایس، ایس میں سے کسی ایک کی رُکنیت و وفاداری کے سوال پر:
جنتا پارٹی کو، چھوڑ کر، بھارتیہ جنتا پارٹی کے نام سے، اپنی ایک الگ پارٹی، بنالی۔
اور پھر، ۱۹۸۰ء کے پارلیمانی الیکشن میں تنہا حصہ لیا۔ مگر، آر، ایس، ایس کو چھوڑنا، گوارا نہیں کیا۔
اپنے، اسی موقف پر، بھاجپا، آج بھی، قائم اور اٹل ہے۔ اور آر، ایس، ایس کی سیاسی شاخ، بن کر:
اپنی حکومت و اقتدار کے ذریعہ، ملک کے کونے کونے میں، آر، ایس، ایس کی جڑیں، مضبوط کر رہی ہے۔
مسلم کنونشن، یوپی کے، اِن قائدین نے، یہ بھی کہا کہ:
چند گم نام، یا۔ بدنام قسم کے مسلمانوں کو بھاجپا، جس طرح، میڈیا کے اندر، اُچھال کر،
یہ تأثر، دینا چاہ رہی ہے کہ: مسلمان، بھاجپا کے قریب آرہے ہیں۔
اس سے، اسے کوئی فائدہ نہیں، بلکہ نقصان ہی ہوگا۔ جو، الیکشن ۲۰۰۴ء کے نتائج سے، ظاہر ہوجائے گا۔
ملک دوست اور امن پسند ہندوستانی عوام کو، وِکاس (ترقی) کے نعرے سے، بھاجپا، گمراہ نہیں کر سکتی۔
اس مکھوٹہ کے پسِ پردہ، ''ہندوتوا'' کے چہرہ کو، وہ، صاف طور سے، دیکھ رہے ہیں۔
اس لئے نفرت و فرقہ پرستی پھیلانے والی بھاجپا کو، وہ، اس الیکشن میں سبق سکھا کر:
مرکز میں اپنی پسند کی جمہوری و سیکولر حکومت، قائم کریں گے۔ اور ملک کی ترقی و نیک نامی میں اضافہ کریں گے۔
اس کا، ہمیں، کافی حد تک، یقین ہے۔ اور اسی کی ہم، اپنے عوام سے اپیل بھی کر رہے ہیں۔''
(روزنامہ، راشٹریہ سہارا، لکھنؤ، دہلی ۔ ۱۹، ۲۰؍ مارچ ۲۰۰۴ء)
لکھنؤ۔ ۲۰؍ مارچ ۲۰۰۴ء۔
سیاسی میدانِ عمل میں سرگرم، سبھی پارٹیاں، اِس اعتبار سے، ہندو ہیں کہ:
ان کی لیڈر شپ، ہندوؤں ہی کے ہاتھوں میں ہے۔ اور مکمل طور پر، انہیں کا، اِن پارٹیوں پر، غلبہ ہے۔
اس کے باوجود، کم و بیش، ان ساری، سیاسی پارٹیوں کو، مسلم ووٹ، ملتا رہتا ہے۔
صرف، بھاجپا، ایک ایسی پارٹی ہے، جسے مسلمان، قومی اور مجموعی حیثیت سے، ووٹ نہیں دیتے۔

آخر! اس کا بنیادی سبب کیا ہے؟ اس پہلو سے بھاجپا لیڈر شپ، کبھی غور، کیوں نہیں کرتی ہے؟
مولانا یٰسین اختر مصباحی، مولانا محمد اقبال قادری، مولانا غلام عبدالقادر علوی اور مولانا محمد ادریس بستوی
فاؤنڈر ممبران مسلم کنونشن اتر پردیش نے اپنے ایک مشترکہ اخباری بیان کے ذریعہ:
بھاجپا لیڈر شِپ سے، یہ سوال کیا ہے۔
اور بھاجپا کے اِس الزام پر، کہ:
سیکولر پارٹیاں، مسلم سماج کو، بھاجپا سے بَھڑکا کر، اسے اپنا ''ووٹ بنک'' بنائے ہوئے ہیں۔
جب کہ ہم، اسے تحفظ و ترقی اور انصاف دینے کے لئے، تیار ہیں۔''
اِن قائدینِ مسلم کنونشن (یوپی) نے بھاجپا سے، یہ سوال کیا ہے کہ:
اتر پردیش و مدھیہ پردیش و راجستھان و مہاراشٹر و گجرات کی، اُس کی صوبائی بھاجپائی حکومتوں اور
پھر، مرکز میں برسرِ اقتدار بھاجپا نے مسلمانوں کی تعلیمی و تجارتی اور معاشی ترقی و خوش حالی کے لئے اب تک،
کیا قدم اٹھایا ہے؟ اور صوبہ و مرکز کے کس شعبہ و محکمہ میں مسلمانوں کو، کتنے فی صد حصہ داری، دی ہے؟
اگر، اس نے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے کچھ بھی، مثبت کام کیا ہے، تو:
اُسے، ملک کے سامنے، پیش کیوں نہیں کرتی ہے؟
پارلیمانی الیکشن ۲۰۰۴ء سے پہلے، جن سیاسی پارٹیوں نے موقع پرستی کا ثبوت دیتے ہوئے بھاجپا سے
ہاتھ ملاکر، اسے مرکزی حکومت کی باگ ڈور، سونپ دیا۔ اور اِس الیکشن کے بعد، جن پارٹیوں کے سلسلہ میں
اندیشہ ہے کہ وہ، بھاجپا سے نیا گٹھ جوڑ کر کے، اسے مرکزی حکومت، دوبارہ حوالہ کر دیں گی، اُن سبھی پارٹیوں
سے خبردار، اور چوکنّا، رہنے کی، ان قائدین نے اپیل کی ہے۔
بھاجپا اور اس کی موجودہ، یا۔ متوقع حلیف پارٹیوں کو، شکستِ فاش دے کر، مرکز میں ایک جمہوری و سیکولر
حکومت، قائم کرنے کے لئے، بیدار مغز و باشعور عوام کو، بہت سوچ سمجھ کر، مناسب فیصلہ، اور:
اپنے ووٹ کا صحیح استعمال، کرنا چاہیے۔'' (روزنامہ، راشٹریہ سہارا، لکھنؤ، دہلی ۔ ۲۱، ۲۲؍ مارچ ۲۰۰۴ء)
کچھ لوگ، یہ سوچتے اور کہتے بھی ہیں کہ:
اگر، مسلمان، بڑی تعداد میں، بھاجپا کے اندر، شامل ہوجائیں، تو، اس کا اثر، پوری پارٹی کے خیالات پر،
خاطر خواہ، پڑ سکتا ہے۔ کیوں کہ ان کی موجودگی میں، کوئی مسلم مخالف رَوَیّہ، پارٹی کے لئے ممکن نہیں ہوگا۔
میرے خیال میں، ان کی، یہ سوچ، بڑی سادگی و سادہ لوحی، اور، ناتجربہ کاری پر، مبنی ہے۔
جس کے، مندرجہ ذیل اسباب ہیں:
(۱) آر، ایس، ایس، اس حد تک، تو، گوارا کر سکتی ہے کہ بَہلا پُھسلا کر:

کچھ مسلم ووٹ، بھاجپا، حاصل کرلے۔لیکن !اس کی اجازت، وہ، ہرگز، نہیں دے گی کہ:
بھاجپا کے بنیادی خیالات ونظریات پر، اس ووٹ کا، کوئی اثر،، پڑسکے۔
(۲) انتہا پسند ہندو ووٹ بنک، بکھرنے، اور دوسری پارٹیوں کا، رُخ کرنے لگے گا۔
(۳) این، ڈی، اے میں شامل، یا۔ باہر سے، اسے حمایت دینے والی پارٹیوں کا، بھاجپا نے:
ظاہری اثر، تو، قبول کیا۔ مگر، پسِ پردہ، اس نے اپنے خیالات ونظریات کے مطابق ہی، سارا کام کیا۔
اور اپنے آپ کو، مضبوط سے مضبوط تر، بنانے کی مُہم، جاری رکھی۔
(۴) سیاسی پارٹیوں سے گذشتہ سارے معاہدات ومعاملات میں، جن سنگھ اور بھاجپا کا یہی کردار، رہا ہے
اور، پورے ملک کا، یہی تجربہ ومشاہدہ بھی ہے کہ:
وہ، دوسری پارٹیوں پر، ہی، اثر انداز ہوئی اور اپنے آپ کو، مضبوط کرتی ہوئی آگے بڑھتی رہی۔
بھاجپا نواز حلقے، مسلمانوں کو، وَرغلانے کے لئے، شری، اٹل بہاری، واجپئی کا چہرہ دکھاتے ہیں کہ، دیکھیے:
وہ، کتنے مُعتدِل اور لبرل (Liberal) ہیں کہ جنتا پارٹی کے دَور میں جب، وہ، وزیر خارجہ تھے، تو،
پاکستان آمدورفت کی سہولت کے لئے، انہوں نے ویزا سسٹم، ازسَرِنَو، شروع کیا، اور اس میں، کافی ڈھیل دی۔
وہ، پاکستان سے بہتر تعلقات، چاہتے ہیں، اِسی لئے انھوں نے:
وزیر اعظم کی حیثیت سے، لاہور بس یاترا بھی کی۔
بہتر تعلقات کی خواہش، بڑی اچھی اور ملکی مفاد کی بات ہے۔
مگر، کہا جاتا ہے کہ ۱۹۷۱ء میں، سُقوطِ ڈھاکہ کے بعد، جب، اُس وقت کی وزیر اعظم، مسز اندرا گاندھی،
پارلیمنٹ کے شروع ہونے والے پہلے سیشن میں پہنچیں، تو، پیلی ساڑی میں، ملبوس تھیں۔
یعنی، کچھ دیر کے لئے وہ، بھگوا، رنگ میں، رنگی ہوئی تھیں۔
اور شری، اٹل بہاری، واجپئی، انھیں، اس رنگ میں، رنگا ہوا دیکھ کر، مچل اور کِھل اُٹھے۔
یہاں تک کہ، انھیں ''درگا دیوی'' بھی کہہ ڈالا۔
یہ ہیں، اندر کے جذبات، اور انھیں بنیادوں پر، آگے چل کر، ۱۹۷۷ء میں واجپئی کے اندر،
بہتر تعلقات کی خواہش، بیدار ہوئی کہ:
پاکستان، دونیم ہوجانے کے بعد، اب ہمارے لئے، کوئی مسئلہ نہیں رہ گیا ہے۔
اندرا، ہوں کہ واجپئی۔ مخصوص حالات میں، ایک مخصوص رنگ کے استعمال اور اس پر، اظہارِ مسرت
سے، ان کی ایک مخصوص ذہنیت کی، بڑی واضح عکاسی اور نمائندگی ہوجاتی ہے۔
سیاسی حلقوں میں، بہتر تعلقات کی کوشش کے بارے میں ایک تبصرہ، یہ بھی کیا جارہا ہے کہ:

پاکستان سے اچھے رشتے، بنانے کے لئے، جہاں، ایک طرف، امریکی دباؤ، کام کررہا ہے،
وہیں، اس کے پیچھے، واجپئی کی ایک چھپی ہوئی دیرینہ خواہش، یہ بھی ہے کہ:
وہ، اس کے ذریعہ، امن کا ''نوبل پرائز''، حاصل کرلیں۔
جو، بِالوٗاسطہ، آر، ایس، ایس کے لئے بھی، ایک عالمی انعام اور بڑا، اِعزاز، ہوگا۔
ابھی، کتنے دن کی بات ہے کہ:
واجپئی نے امریکہ میں، ایک ''ہندوتوا نواز تقریب'' میں، خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ:
''مَیں، سیوک سنگھی، پہلے ہوں۔ اور، پردھان منتری، بعد میں ہوں۔''
اور، پورا ملک، یہ بھی جان رہا ہے کہ: واجپئی، علی الاعلان، یہ کہہ چکے ہیں کہ:
''آر، ایس، ایس، میری، روح ہے۔''
سیاسی حلقے، اکثر، یہ تبصرہ، کرتے رہتے ہیں کہ: واجپئی کے، کئی چہرے، اور کئی زبانیں، ہیں۔
یہی وجہ ہے کہ، شری، گووِندا چاریہ نے، واجپئی کو ''مکھوٹہ'' کہا، ورکلیان سنگھ، سابق بھاجپائی چیف منسٹر صوبہ
اتر پردیش جب، بھاجپا سے، واجپئی کی شخصی مخالفت کی وجہ سے، باغی ہوئے، تو، ٹی وی اور اخبارات کے ذریعہ:
انھوں نے، دھمکی دی کہ:
''واجپئی کا ''مکھوٹہ''، اُتار کر، پھینک دوں گا۔''
واجپئی کے دوہرے کردار ہی کے پیشِ نظر، انھیں، بیشتر لوگ، لال کرشن، اڈوانی سے:
زیادہ خطرناک سمجھتے ہیں کہ: ان کا چہرہ، دکھا کر ہی، آج، مرکزی حکومت پر، سنگھ پریوار، قابض ہوگیا ہے۔
اور، انھیں کے چہرہ کی آڑ میں، این، ڈی، اے کی حلیف پارٹیوں کا شکار کیا گیا ہے۔
واجپئی کی شخصی نرم مزاجی، دراصل، آر، ایس، ایس نظریات کے، تابع ہے۔
آر، ایس، ایس بھی عموماً، بڑی سنجیدگی اور نرمی کے ساتھ، اپنے خیالات ونظریات کا اظہار کرتی ہے۔
اور بڑی منصوبہ بندی وحکمتِ عملی کے ساتھ، واجپئی، نصف صدی سے، اس کی آبیاری کررہے ہیں۔
آج کل، قومی کونسل اردو کو بھی، بھاجپا نواز حلقے، اُچھال رہے ہیں کہ، دیکھیے:
وزیر فروغ انسانی وسائل، شری، مُرلی منوہر جوشی، سابق بھاجپا صدر نے کتنا بڑا کام کیا ہے کہ:
اس کونسل کا، سالانہ بجٹ، گیارہ کروڑ کردیا ہے۔ اس کے پلیٹ فارم سے، اردو زبان کو، کافی فروغ مل رہا ہے۔
مدارس میں کمپیوٹر، لگ رہے ہیں۔ اس کونسل کے اپنے ہیڈ آفس کا، شری، جوشی نے نئی دہلی میں
سنگِ بنیاد، رکھ دیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔
یہ مُرلی منوہر جوشی، وہی ہیں، جو، نئی دہلی میں ایک بار، صوبائی وُزَرائے تعلیم کی میٹنگ کا آغاز:

وَندے ماترم سے کرانے کی تیاری کر چکے تھے۔مگر:

غیر بھاجپائی وُزَراے تعلیم کی شدید مخالفت کی وجہ سے،ان کا منصوبہ،ناکام ہوگیا۔

جوشی کے اِس بڑے کارنامہ کی، سنگھی حلقوں میں بڑی پذیرائی کی جارہی ہے کہ:

انھوں نے اسکول و کالج و یونیورسٹی کے نصاب تعلیم کو،''بھگوا رنگ'' میں ، رنگنے کی اپنی مُہم میں ،کافی حدتک،کامیابی،حاصل کرلی ہے۔

واجپئی ہوں کہ اڈوانی۔جوشی ہوں کہ نریندر مودی۔ان سب کا مطمحِ نظر:

ایک،اورسب کی منزل بھی،ایک ہی ہے۔کسی کا رُخ، کچھ نرم ہے۔کسی کا کچھ،گرم ہے۔

کوئی، بتدریج اوراطمینان سے،اپنا کام کرنا چاہتا ہےاورکسی کی طبیعت،عُجلت پسند،واقع ہے۔

لیکن!فطرت،سب کی یکساں ہے۔

کلیان سنگھ،اومابھارتی،ونے کٹیار،اشوک سنگھل،گری راج کشور،پروین توگڑیا:

سب کے دل،اندر سے،ایک ہیں۔

کلچرل نیشنل ازم، اورتہذیبی قومیت، بالفاظِ دیگر،نَسلی جارحیت اور فاشزم کا زَہر،سب کے اندر بَھرا ہوا ہے۔جس کا پہلا اوراصل نشانہ،مسلمان ہیں۔اس کے بعد،عیسائی،اورپھر،کمیونسٹ ہیں۔

سنگھ پریوار کے بیان اورلٹریچر،پکارپکارکر،اس کے،ان عزائم کا اظہار واعلان کررہے ہیں۔

جس سے اگر،کوئی،اندھا بہرا،بنارہے،یا۔جان بوجھ کر،اسے سننا،دیکھنا،نہ چاہے،یا۔دیکھ سن کر،اس سے فریب کھانا چاہے،تو،اس کا،کسی کے پاس،کوئی علاج اورکوئی طریقۂ نجات،نہیں ہے۔

آر،ایس،ایس کے دست وبازو کی حیثیت رکھنے والی انتہا پسند تنظیم،''وِشو ہندو پَریشد'' نے ایک بارہ نِکاتی ایجنڈا،تیارکیا ہے کہ جو پارٹی،اس کی حمایت کرے،اُسے ہی لوک سبھا الیکشن ۲۰۰۴ءمیں،ہندو،اپنا ووٹ،دیں۔

اور،ظاہر ہے کہ بھاجپا کے سِوَا،وِشو ہندو پَریشد کی پسندیدہ پارٹی،اورکون ہوسکتی ہے؟

وِشو ہندو پَریشد کا مجوزہ ہندوایجنڈہ،مختصرطورپر،حسبِ ذیل ہے:

(۱) ہندو دَھرم، ہندو کلچر،اور ہندو سوسائٹی کو، بچانے کے لئے''جہادی جارِحیت''اورخطرے کا خاتمہ۔

(۲) اجودھیا میں،رام جنم بھومی، ہندو سماج کو،منتقل کرنا۔اوراس کی زمین،رام جنم بھومی نیاس کے حوالہ کرنا اورا یکوائر کے حکم کو،ختم کرنا۔تحفظِ عبادت گاہ کے اسپیشل پروویژن ایکٹ ۱۹۹۱ءکو،منسوخ کرنا۔

(۳) گائے کو،قومی جانور،قرار دینا۔گائے اوراس کی نسل کو،کسی بھی حالت میں،کاٹنے کو سنگین جُرم،قرار دینے والا قانون،بنانا۔گائے کے تحفظ،فروغ اور پرورش کے لئے مرکز اور،ریاستوں میں علیحدہ وزارتیں،بنانا۔ اورپُر غذا،فطری اور حیات بخش دَہی ، دودھ، نیز ،زَرعی و اِقتصادی (فارمیسی سے متعلق سمیت) مقاصد

اورتوانائی، پیدا کرنے کے لئے، گوبراور پیشاب کے استعمال کو،ترقی دینا۔

(۴) مندروں اور مَٹھوں کو،تحویل میں لینے،اوران کی پراپرٹی کو،فروخت کرنے پر، پابندی۔

مندروں ،مَٹھوں اور آشرموں کے اندر ہونے والی تمام مذہبی اور انتظامی وتعمیری سرگرمیوں کو چیریٹیبل،تسلیم کرنا۔اور،انھیں،اِنکم ٹیکس کی سہولت،دینا۔

(۵) تیرتھ اَستھانوں،گنگا اور دیگر مقدس ندیوں کی صحیح دیکھ بھال،کرنا۔

(۶) یونیفارم سِول کوڈ، نافذ کرنا۔اقلیتوں کو، جو،تعلیمی وتہذیبی حقوق حاصل ہیں،ان کا دائرہ، ہندوؤں تک وسیع کرنا۔دَھارمِک شِکشا،سنسکرت،رامائن،مَہا بھارت اور تاریخ سے متعلق:

قدیم تحریروں کو، تعلیمی نصاب میں،شامل کرنا۔

(۷) تبدیلیِ مذہب پر، پابندی لگانا۔عیسائی اور مسلم تنظیموں اوراداروں کے ذریعہ،غیر ملکی اِمداد کے حصول اورخرچ پر، واضح کنٹرول کرنا۔درج فہرست ذاتوں اوردرج فہرست قبائل کو،حاصل سہولتیں:

اُن لوگوں کو، نہ دینا، جو،اسلام، یا۔عیسائیت،قبول کرلیں۔

ہندو سَروِس اداروں اورخواندگی ،مشنوں کو، دیے جانے والے چندوں کو،ٹیکس سے مستثنیٰ،قرار دینا۔

(۸) آئین کے آرٹیکل ۳۷۰ کو،ختم کرنا۔تمام مرکزی قوانین کا دائرہ، جموں وکشمیر تک، وسیع کرنا۔ کشمیری شرنارتھیوں کی بحفاظت بازآبادکاری اوران کی پراپرٹی کی بحالی۔

(۹) تمام دَراندازوں کا،فوری اِخراج اور مستقبل میں دَراندازوں کے خلاف، مستحکم حفاظتی انتظامات۔

(۱۰) دوسرے ملکوں میں رہنے والے غیر رہائش پذیر ہندوؤں کے مفادات کا تحفظ۔

(۱۱) تمام پَوتر اَستھانوں اورقدیم معلوماتی نظام کا تحفظ اور تعمیرِ نَو ومرمت۔

(۱۲) گوشت کے ایکسپورٹ پر، مکمل پابندی۔ (وِشو ہندو پَریشد کے بارہ ایجنڈے)

اور، بتایا جاچکا ہے کہ: بھاجپا کے مخصوص نظریات اوراس کی اندرونی مسلم دشمنی:

بظاہر، ناقابلِ اصلاح،اورناقابلِ تبدیل ہے۔

اگر، عام سیاسی پارٹی کی طرح، بھاجپا بھی، ایک ہندوستان گیر، یا۔صوبائی پارٹی ہوتی ،تو،اُسے مسلمان، پہلے ہی سے، ووٹ اور سپورٹ دیتے رہتے۔جیسا کہ درجنوں دیگر سیاسی پارٹیوں کے ساتھ،ان کا:

پچپن (۵۵) سال سے، برابر، سیاسی رشتہ اور تعلق رہا ہے۔

اور بھاجپا، واقعتاً،آر،ایس،ایس سے اپنا نظریاتی رشتہ،توڑلے،تو، آج ہی سے مسلمان،اپنے سیاسی مفادات کے لحاظ سے، جہاں اور جس حدتک، مناسب سمجھیں گے،اسے بھی، ووٹ دینے لگیں گے۔

لیکن!صرف، دفعہ ۳۷۰، یونیفارم سِول کوڈ اور رام مندر تعمیر کے ملتوی و مؤخَّر کیے جانے کی تدبیر سے، بھاجپا

مسلمانوں کا، کبھی، شکار نہیں کرسکتی۔ جیسا کہ:

وہ، سیاسی پارٹیاں، اس کا شکار ہوئی ہیں، جن کی مدد سے، آج، مرکز پر، بھاجپا کی حکومت ہے۔

یہ تو، بالکل، ایسا ہی معاملہ ہے، جیسے، کوئی شخص، کسی سے کہے کہ:

مجھے کھلا پلا کر، صحت مند، اور مضبوط و توانا، کردو۔ ابھی تو، میں، تمہیں، کچھ نہیں کہوں گا۔

البتہ، پانچ سال کے بعد، یا۔ مناسب حالات، پیدا ہونے کے بعد، تمہاری، اچھی طرح، خبر لوں گا۔

تو کیا کوئی بھی عاقل و دانا شخص، اس پنج سالہ، یا۔ کچھ مزید رخصت و رعایت کو، قبول کرتے ہوئے،

یا۔ اس کا نمائشی و عارضی فائدہ، حاصل کرتے ہوئے:

اپنی مستقل ذلّت و رُسوائی اور اپنی مذہبی، تہذیبی، سیاسی اور سماجی موت کو، دعوت دینے کی، حماقت کرسکتا ہے؟

بھاجپا کے اندر، اگر، سیاسی اَقدار و اُصول کا، کچھ بھی، پاس ولحاظ ہے، تو، وہ، بتائے کہ:

اپنے دورِ حکومت میں، اس نے مسلمانوں کو، کیا دیا ہے؟

اور، اگر، اس کے خیال کے مطابق، مسلمان، قومی دھارے میں شامل نہیں ہیں، تو،

اس نے انھیں، قومی دھارے (مین اسٹریم) میں، شامل کرنے کی، کون سی کوشش کی ہے؟ جس سے وہ ملکی وعوامی دھارے میں برابر شامل رہیں، جہاں تعلیم وتجارت وملازمت وغیرہ میں سب کے ساتھ، انصاف ہوتا رہے؟

تعلیم وتجارت اور ملازمت میں، اس نے مسلمانوں کو، کون سی، اور کہاں کہاں، کتنی حصہ داری، دی ہے؟

سب کو، ساتھ لے کر، چلنے کے، اپنے دعویٰ کو، اس نے سچ، ثابت کر دِکھانے کے لئے:

کون سا عملی قدم، اٹھایا ہے؟

اس نے کس محکمہ اور کس شعبۂ حکومت کے اندر، کتنے فی صد نمائندگی و ترقی، مسلمانوں کو، دی ہے؟

ہم تو، ایک زمانہ سے، یہ دیکھ رہے ہیں کہ:

سنگھ پریوار، کبھی، ایک دَھرم، ایک زبان، ایک تہذیب، ایک قوم اور ایک ملک کا نعرہ، لگاتا ہے۔

کبھی، اَکھنڈ بھارت کا جوش، اپنے وَرکروں کے اندر، پیدا کرتا ہے۔

کبھی، کہتا ہے کہ: بھارت میں گر، رہنا ہوگا، وندے ماترم کہنا ہوگا۔

کبھی، غلامی کی یادگاریں، مٹانے کی باتیں کرتا ہے۔

کبھی، کہتا ہے کہ: سوگندھ، رام کی، کھاتے ہیں۔ مندر، وہیں، بنائیں گے۔

کبھی، سرکاری پُشت پناہی میں، گجراتی مسلمانوں کا قتلِ عام (۲۰۰۲ء) کرکے:

ملک بھر میں، گجرات فارمولہ، دُہرانے کی، دھمکی دیتا ہے۔

کبھی، مسلمانوں کو ''بابر کی اولاد'' اور ''دیش دروہی''، کہتا پھرتا ہے۔

کبھی، مسلمانوں کی مسجدوں، مدرسوں، اور قبرستانوں کے معاملات، اور کہیں کہیں، ان کی زمینوں کے ساتھ، چھیڑ چھاڑ کرنے میں، پیش پیش، رہتا ہے۔

کبھی، مسلمانوں کے سیاسی مفاد پر، ضرب لگانے کی سازش اور کوشش کرتا ہے۔

کبھی، اردو زبان کے خلاف، زہرافشانی کرتے ہوئے، اسے ''ودیشی زبان''، کہتا ہے۔

اور کبھی، اپنے سیاسی مفاد کے لئے ''بھوج شالہ'' (مدھیہ پردیش) جیسے، نئے نئے شوشے کو، ہوا دیتا ہے۔

وہ، ذبیحۂ گاؤ پر، ایک طرف، پابندی، لگانے کی بات کرتا ہے، اور، دوسری جانب، خود، اسی کے آدمی، اپنی گئو ماتا کو، داؤ پر لگاتے اور اس کی چربی، چمڑا کی خرید وفروخت میں نمبر ایک پر، نظر آتے ہیں۔

کیا مسلمانوں کو بھی، اس نے خرید وفروخت کی چیز اور سامانِ تجارت، سمجھ رکھا ہے کہ:

مسلمان، اس کی لالچ، یا۔ دھمکی میں آکر، اسے اپنا ووٹ، دینے لگیں گے؟

آر، ایس، ایس نظریات سے بے خبر، یا۔ شاطر قسم کے لوگ، وقتاً فوقتاً، یہ مشورہ، مسلمانوں کو، دیتے رہتے ہیں کہ:

ساری پارٹیوں کو، آزما کر، مسلمان، دیکھ چکے ہیں۔

لگ بھگ، یکساں رَوَیَّہ، ساری پارٹیوں کا ہوتا ہے۔ ساری پارٹیاں، مسلمانوں سے:

لمبے چوڑے، وعدے کرتی ہیں۔ لیکن! کوئی بھی پارٹی، مسلمانوں کے سلسلے میں سنجیدہ، نہیں ہے۔

ایسے حالات میں، کیوں، نہ ایک بار، بھاجپا کو بھی، آزمالیا جائے؟

بھاجپا، جب تک، سنٹر میں برسرِ اِقتدار، نہیں آئی تھی، اُس وقت تک، کچھ سیاسی حلقوں میں اِسی طرح کا، یہ بھی، ایک خیال، پایا جاتا تھا کہ:

بھاجپا، اگرچہ، فرقہ پرست ہے۔ لیکن، اسے اگر، کبھی حکومت کرنے کا موقع مل جائے گا تو اچھی کارکرگی کا مظاہرہ، کرے گی۔

مگر، پانچ چھ سالوں کے تلخ تجربات نے، ثابت کردیا کہ:

رشوت خوری، کرپشن، گھوٹالہ کا، گراف، پہلے سے کافی، بڑھا ہوا ہے۔

اور ملک دوستی واصول پرستی وترقی واستحکام کے سارے بھاجپائی دعوے، خواب وسَراب، ثابت ہوئے۔

کچھ، ایسا ہی معاملہ، مسلمانوں کے تعلق سے، مذکورہ بالا مشورہ کا بھی ہے۔

مسلمانوں کو، یہ پارٹی، جس نظر سے، دس سال پہلے، دیکھتی تھی، اُسی نظر سے، آج بھی دیکھتی ہے، اور، دس سال کے بعد بھی، دیکھے گی۔

آر، ایس، ایس کی سیاسی تنظیم ہونے کے ناطے، اسے بنیادی طور پر، وہی لائن لینی، اور وہی کام کرنا، ضروری ہے جس سے اسلام اور مسلمان کو، نقصان پہنچانے کی، اس کی دیرینہ خواہش کی تکمیل:

اور ''بابر کی اولاد'' کو، ذلیل ورُسوا کر کے، اس کے انتقامی جذبہ کی تسکین، ہو سکے۔

جس کا عملی نمونہ، ''اجودھیا سے گجرات تک''، پیش کیا جا چکا ہے۔

اور آر، ایس، ایس کے ہزاروں شِشُو مندروں، وِدّیا مندروں میں زیرِ تعلیم، چھوٹے چھوٹے بچوں کے ذہن میں، مسلمانوں کے خلاف، زہر اُگلتے رہنے کا سلسلہ، دراز کر کے، کالج و یونیورسٹی کے نوجوان طلبہ تک پہنچانے کے لئے ''نصابِ تعلیم کے بھگوا کرن'' کا آغاز، اِس بھاجپائی قیادت والی، این، ڈی، اے گورنمنٹ ہی میں، ہو چکا ہے۔

مَیں، سمجھتا ہوں کہ: بھاجپا، اِس غلط فہمی، یا۔خوش فہمی میں، ہرگز نہیں ہے کہ:

دوچار مفاد پرست، اور، رَاندۂ درگاہ قسم کے مسلم نُما چہرے، دکھا کر:

وہ، مسلم ووٹ کے اندر، کوئی نقب زنی، کر سکتی ہے؟

اور، یقیناً، اسے، یہ بھی معلوم ہے کہ:

آر، ایس، ایس سے نظریاتی وابستگی ہی، مسلم ووٹ کی دوری کا، اصل سبب ہے۔

بھاجپا کا اپنا طے شدہ فیصلہ ہے کہ:

آر، ایس، ایس سے، ہمیں، فکری ونظریاتی غذا ملی ہے اور اسی کے صدقہ میں، ہمارا ہندو ووٹ بنک بھی ہمیں، ہر قدم پر، سیاسی ترقی اور طاقت سے ہم کنار کر رہا ہے۔اور ہم، اس کے ''اَٹوٹ اَنگ'' ہیں۔

اِس لئے ہم، اس سے کبھی، الگ نہیں، ہو پائیں گے۔

اور مسلمان بھی، اِس حقیقت کو، بخوبی، جانتے اور سمجھتے ہیں کہ:

ہماری جڑ میں گرم، اور ہماری دو ایک شاخوں، بلکہ چند پتیوں پر، ٹھنڈے پانی کا چھڑکاؤ ہی بھاجپا کی شاطرانہ پالیسی ہے۔تو پھر، ایسی صورت میں:

کیا بنے بات، جہاں بات بنائے، نہ بنے؟

ہاں! بات، بن سکتی ہے۔اگر، بھاجپا، اپنی ''جنم داتا'' آر، ایس، ایس سے اپنا رشتہ، بِالکلِّیہ، منقطع کر لے۔

اور، مسلم دشمن پالیسی، ترک کر دے۔

پھر، مندرجہ ذیل نِکات پر، وہ، مسلمانوں سے معاہدہ اور سمجھوتہ کر لے۔

جس کے بعد، ہر سیاسی پارٹی کی طرح، اسے بھی مسلم ووٹ اور سپورٹ ملنے کا سلسلہ، شروع ہو جائے گا اور، ملک کی سیاسی تاریخ میں ایک انقلابِ عظیم، برپا ہو جائے گا۔

(۱) وطن سے محبت، اور اس کی سرحدوں کی حفاظت (۲) سماجی سکون وہم آہنگی اور، پُر امن بقائے باہم (۳) انسانی اَقدار و رِوایات کا تحفظ (۴) ہر فرقہ اور ہر طبقہ کے ساتھ، انصاف اور اس کے بنیادی حقوق میں عدمِ مداخلت (۵) ملک کی تعمیر وترقی اور خوش حالی کی پیہم جدوجہد (۶) تعلیم، تجارت، ملازمت، اور اقتدار وغیرہ

میں، تناسبِ آبادی کے لحاظ سے، ہر ہندوستانی کی مُنصِفانہ شرکت اور مفادات میں، حسبِ اِستحقاق، مکمل حصہ داری۔

(۷) غُربت وجہالت، جبر وظلم، اور، رشوت وبدعنوانی کے خاتمہ کی کوشش۔

(۸) ۲۰۲۰ء تک، درخشاں وترقی یافتہ ہندوستان کے تاریخ ساز منصوبہ کی تکمیل۔

بظاہر، اِس کا اِمکان، نظر نہیں آتا کہ:

''ہندوتوا''، اور، ''راشٹریتا'' کے نام پر، فاشزم وہٹلرزم کی وکالت کرنے والے عناصر، کبھی، ایسا ہونے دیں گے۔

دور دور تک، اس کے آثار وقرائن، نظر نہیں آتے کہ:

جارحانہ اور مسلم دشمن ذہنیت کے حامل افراد، کبھی ملک کے اندر:

امن وامان کا صحیح ماحول، پیدا ہونے دیں گے۔

لیکن! بفرضِ محال، کبھی ایسا ہو جاتا ہے تو، یہ، دنیا دیکھے گی کہ:

ہندوستانیوں کی امن پسندی وملک دوستی اور ان کی ترقی وخوش حالی کو:

قطب مینار کی رفعت وشوکت، اور تاج محل کا حُسن وجمال بھی تحیّت ومبارک باد، پیش کرنے لگے گا۔

اور، لال قلعہ کی تاریخی فصیل، پارلیمنٹ کے ایوان، انڈیا گیٹ کے میدان، اور:

ہندوستان کے ہر کھیت کھلیان سے، صحیح معنوں میں، یہ نغمۂ وطن، گونجنے لگے گا کہ:

سارے جہاں سے اچھا، ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی، یہ گلستاں ہمارا

(مطبوعہ ماہنامہ کنزُ الایمان، دہلی۔شمارہ ربیعُ الاوّل وربیع الآخر ۱۴۲۵ھ/مئی ۲۰۰۴ء۔وص ۱۰۰۲ تا ص ۱۰۱۹۔نقوشِ فکر، مطبوعہ دہلی۔۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء)

یٰسٓ اختر مصباحی
دارُالقلم، قادری مسجد روڈ،
ذاکر نگر، جامعہ نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

مؤرخہ
۲۷/جمادیٰ الآخرہ ۱۴۳۷ھ
۶/اپریل ۲۰۱۶ء

''متحدہ قومیت'' کی تائیدِ مزید

مولانا سید تنویر ہاشمی، بیجاپوری، صدر آل انڈیا عُلما ومشائخ بورڈ، صوبہ کرناٹک نے ''متحدہ قومیت'' کی تائیدِ مزید کرتے ہوئے، بنگلور، کرناٹک کی ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ:

''ہم نے ''اِعلامیہ'' میں، ہندوستان کی سالمیت کے تحفظ کے لئے ''متحدہ قومیت'' کی تائید وتوثیق کرتے ہوئے، فرقہ وارانہ منافرت کا، بیج بونے والوں کی، نہ صرف مذمّت کی، بلکہ انھیں، کیفرِ کردار تک، پہنچانے کا مطالبہ کیا۔''

(ص ۵۔روزنامہ، راشٹریہ سہارا، بنگلور ایڈیشن۔بنگلور، صوبہ کرناٹک۔مؤرخہ ۱۲/اپریل ۲۰۱۶ء)

صوفی کانفرنس (نئی دہلی) سے مولانا ثاقب شامی کا خُصوصی خطاب

ایک ''مَے خانہ'' ہے، مارہرہ شریف
ایک ''بادہ خوار'' ہے، احمد رضا
''مرکزیت'' ہے، بریلی کو نصیب
''نُقطۂ پَرکار'' ہے، احمد رضا
ہر''متاعِ عشق'' مِلتی ہے یہاں
''مصطفیٰ بازار'' ہے، احمد رضا

''**سوشل میڈیا**'' کے ذریعہ، خبریں اور تبصرے، آن کی آن میں، دنیا کے گوشے گوشے میں بیٹھے ہوئے لاکھوں، کروڑوں انسان، پڑھ اور سُن لیتے ہیں۔

نوجوان نسل کی دل چسپی، اِس سوشل میڈیا کے ساتھ، روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ اور، سوشل میڈیا ہی کے ساتھ، اُس کا اچھا خاصا وقت، گذرنے لگا ہے۔

اگر، صحیح نیت اور صحیح فکر کے ساتھ، کچھ مفید چیزیں، دیکھی سنی جائیں اور مفید باتیں، کہی جائیں۔ کوئی اچھا خیال، سلیقے کے ساتھ، پیش کیا جائے اور کوئی صحیح رائے، دوسروں کے سامنے، رکھی جائے۔ مثبت اور تعمیری ذہن کے ساتھ، اِظہارِ خیال کیا جائے۔ اِختلافِ رائے میں، وقار ومتانت کو، ملحوظ رکھا جائے۔

انصاف ودیانت کے ساتھ، کسی کی کوئی مناسب تنقید واِحتساب ہو، اور اس تنقید واِحتساب میں، اس کی حیثیتِ عُرفی کا لحاظ واِحترام ہو، تو، کیا ہی، **خوب ومرغوب ہے۔**

مگر، اِظہارِ خیال واِختلافِ رائے اور تنقید واِحتساب میں، وقارِ علم کو، مجروح وپامال کیا جائے۔ عقل کا صحیح استعمال، نہ کیا جائے۔ تہذیب وشرافت کو، شرمسار کیا جائے۔ دشنام طرازی والزام تراشی کا سہارا لیا جائے۔ جہالت اور غیر ضروری جذباتیت کا مظاہرہ کیا جائے تو، یہ، **نہایت ہی، معیوب ومذموم طرز وطریقہ ہے۔**

یاد رکھیے کہ: جب، کوئی شخص، کسی گفتگو اور بحث ومباحثہ کے وقت، جذبات سے بے قابو ہو کر، دشنام طرازی والزام تراشی کرنے لگے، بدزبانی وبدکلامی اور بدگوئی پر، اُتر آئے

تو، اپنی اِس کیفیت اور اپنے اِس طرزِ عمل سے، وہ، **اِس حقیقت کا اِظہار واعلان کر رہا ہے کہ:**

دامن علم وعقل اور رِشتۂ علم وعقل، اس کے ہاتھ سے، چھوٹ گیا ہے۔

حقائق ودلائل نے، اس کا ساتھ، چھوڑ دیا ہے۔

جس کی تلافی، وہ، بدکلامی وبدگوئی اور دشنام طرازی والزام تراشی کے ذریعہ، کرنا چاہ رہا ہے۔

اِس طرح، اس کی اصل حیثیت، اس کا عِلمی وعقلی معیار، اس کی سَطحیت وسوقیانہ پن، اور، اس کی اَخلاقی پستی واَبتری، ازخود، لوگوں پر، ظاہر وباہر ہو جاتی ہے۔

جس کے پاس مطلوبہ علم ومطالعہ، عقل وشعور، اور دلائل کی قِلّت، یا فُقدان ہو، وہی کسی موضوع پر، علمی بحث ومباحثہ اور اصولی گفتگو سے گریز کرتے ہوئے غیر متعلق اور غیر ضروری باتیں، چھیڑ کر، بہکی بہکی باتیں، کرتا ہے۔ اور ہَفوات وہذیانات کا سہارا لیتا ہے۔

یہ صورتِ حال، اس کی بے بَسی وبے چارگی کی غَماز ہے اور اس کی پَسپائی اور شکست کا **اِعتراف ہی نہیں، بلکہ، واضح اظہار واعلان بھی ہے۔**

دو تین سالوں سے، سوشل میڈیا کے ذریعہ، **بعض مذہبی مسائل اور مذہبی شخصیات** کے سلسلے میں، اِظہارِ خیال واِختلافِ رائے کرتے ہوئے جس جہالت وجذباتیت، بدگوئی وبدکلامی، اور دشنام طرازی واِلزام تراشی کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے، وہ، افسوسناک ہی نہیں، بلکہ شرمناک بھی ہے۔

تازہ ترین نمونہ، یہ ہے کہ:

انٹرنیشنل صوفی سیمینار وکانفرنس، نئی دہلی (۱۷/تا ۲۰/مارچ ۲۰۱۶ء) سے متعلق، چِھڑنے والی بحث میں، جانشینِ مفتیِ اعظمِ ہند، حضرت مولانا مفتی محمد اختر رضا، ازہری، بریلوی اور، پروفیسر، طاہر القادری (مِنہاجُ القرآن، لاہور) کے خلاف، حد درجہ، نازیبا الفاظ کا تبادلہ، اس سوشل میڈیا پر، ہوا۔ جس میں اخلاقی حُدود کو، نہایت بے دردی کے ساتھ، پامال کیا گیا۔

عمل اور رَدِّ عمل کا افسوسناک مظاہرہ، دونوں حضرات کے حامیوں اور مَدّاحوں کی طرف سے، بے دریغ، ہوا۔

کچھ یہی حال، صوفی کانفرنس، نئی دہلی (۲۰/مارچ ۲۰۱۶ء) میں، مولانا ثاقب شامی اور مولانا سید تنویر ہاشمی، بیجاپوری کے ہونے والے خطابات سے متعلق، تند وتیز تأثرات، اور تبصروں کا ہے۔ اور ایسا ہے کہ: **اَلْاَمَانُ وَ الْحَفِیظ۔**

عالِم کو، اپنے وَقارِ علم کا خیال، اور کسی باعزت آدمی کو، اپنی عزت وآبرو کا پاس ولحاظ،

ضرور رکھنا چاہیے۔ اور، اگر، ایسا نہیں ہے، تو، پھر، وہ، کیسا عالم اور کیسا باعزت آدمی؟

یہی بات، طلبہ اور نوجوانوں کے سلسلے میں بھی، کہی جائے گی کہ:

آدمی را آدمیت ،لازم ست
عُود را خوشبو نباشد ،ہیزم ست

مولانا ثاقب، شامی اور مولانا سید تنویر، ہاشمی سے، میرا کوئی رابطہ و تعلق نہیں۔

نہ ہی، ان میں سے، کسی کے بارے میں، مجھے کچھ معلوم ہے۔

ہاں! مولانا ثاقب اقبال، شامی کے بارے میں، میری معلومات کا کُل خزانہ، وہ، ہے جو صوفی کانفرنس کے حامی ایک ہفت روزہ ''خطیبِ دَکن'' حیدرآباد، دَکن (مؤرخہ ۱۸/تا ۲۴/مارچ ۲۰۱۶ء) کے آخری صفحہ کی نمایاں سُرخی (ورلڈ صوفی فورم کے تمام مہمان، صفِ اول کی سرکردہ شخصیات) کے ساتھ، چار شخصیات کا مختصر تعارف مع تصاویر، شائع ہوا ہے۔

ان چار سرکردہ شخصیات میں، ایک نام ہے:

''محمد ثاقب بن اقبال، شامی۔ بانیِ کنزُ الھُدیٰ آرگنائزیشن، برطانیہ''۔

اور آپ کا تعارف، اِس طرح کرایا گیا ہے:

''مولانا محمد ثاقب بن اقبال، شامی کنزُ الھُدیٰ آرگنائزیشن کے بینَر سے، یوروپ میں، اسلام کی مثالی خدمات، انجام دے رہے ہیں۔ اپنے منفرد اسلوبِ خطاب اور دل نشیں اندازِ بیان کی وجہ سے:

نوجوان طبقہ میں، بے انتہا، معروف ہیں۔

Q.TV کے ذریعہ، شیخ اقبال، شامی نے اپنے علم و فضل کے متاثر کُن نقوش، چھوڑے ہیں۔

دنیا بھر میں، تصوف کی تعلیمات کو، عام کرنے میں مصروف ہیں۔ جدید دَور کے مسائل پر گہری نظر، رکھتے ہیں۔ اپنے تفہیمی لکچر میں، سامع کی نفسیات کو، مدِّ نظر، رکھتے ہیں۔

اعلیٰ عصری تعلیم کے ساتھ، دینی تعلیم سے بھی، فارغ التحصیل ہیں۔

انھوں نے Stafford Shire University، لندن (برطانیہ) کے علاوہ، جامعۃُ الفُرقان، راولپنڈی (پنجاب، پاکستان) سے اِکتسابِ علم کیا ہے۔

دنیا بھر کے اہلِ علم سے، رابطہ ہے۔''

(ص ۱۶۔ ہفت روزہ ''خطیبِ دَکن'' حیدرآباد۔ دَکن (آندھرا پردیش۔ انڈیا۔ مؤرخہ ۱۸/

تا ۲۴/مارچ ۲۰۱۶ء)

انٹرنیشنل صوفی کانفرنس، نئی دہلی (بتاریخ ۲۰/مارچ ۲۰۱۶ء۔ بمقام رام لیلا، میدان) میں، مولانا ثاقب، شامی کے ہونے والے، خطاب کا ایک خاص حصہ، ذَیل میں، نقل کیا جارہا ہے:

........''اگر، ڈاکٹر، طاہرالقادری صاحب نے دہشت گردوں کے خلاف، فتویٰ دیا ہے تو، ہم، اس فتوے پر، عمل کریں، دل کی گہرائیوں سے، عمل کریں۔

فقط، اس کانفرنس میں آکر، یہ، نہ کہیں کہ: ہم، دہشت گردوں کے خلاف ہیں۔''

یہ بھی کہیں کہ: ہم، اِن دہشت گردوں کی اِقتدا میں، نماز کو، جائز نہیں سمجھتے۔''

یہ کہیں کہ: فقط، دہشت گردوں کے خلاف نہیں۔

وہ، دہشت گرد، اگر، مکہ کی مسجد کا امام ہے۔ دہلی کی مسجد کا امام ہے۔ مدینہ کی مسجد کا امام ہے۔ وہ، دہشت گرد، اگر، گستاخِ رسول ہے، تو، اس کی اِقتدا میں، ہم، نماز، ادا نہیں کرتے۔

یہی، ہمارے اکابر کا نظریہ ہے۔

آج، مجھ سے میڈیا والوں نے پوچھا:

ہر بندہ، غوثِ اعظم کا نام لیتا ہے۔ ہر بندہ، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کا نام لیتا ہے۔''

ہم، دہشت گردوں سے پوچھتے ہیں۔

وہ، کہتے ہیں: ہم، ان سب کا اِحترام کرتے ہیں۔''

میں نے سوچا اور غور کیا کہ: دیکھو!

کوئی ایسا فرد ہو، جس سے دہشت گرد، نفرت کرتے ہوں۔

جس کا نام، خطِ اِمتیاز ہو۔ واضح کردے کہ:

باطل عقیدے والا، کون ہے؟ امن کا پرچار کرنے والا، کون ہے؟

ربِّ کعبہ کی قسم! مجھے، دَورِ حاضر میں شیخ یوسف نبہانی کی تعلیمات کا مطالعہ کرنے کے بعد، اور اپنے اکابرینِ ہندوستان و پاکستان کے نظریات کو، پڑھنے کے بعد:

یہ بات، روزِ روشن کی، طرح، واضح ہوگئی کہ:

وہ، ایک ہی مردِ قلندر ہے، وہ، ایک ہی مردِ مجاہد ہے کہ:

جس کا نام، اگر، دہشت گرد کے سامنے لے لو، اُس کے چہرے کا رنگ، زَرد پڑ جائے گا۔

وہ، کون ہے؟ وہ، بریلی کا قلندر ہے۔ وہ، بریلی کا مجاہد ہے۔

وہ، امام احمد رضا خاں ہے۔ جس کے متعلق، میرے اکابر نے کہا:

شِرک تھا جب ناز کرنا، احمدِ مختار پر — نکتہ چیں تھے لوگ، علمِ سیدِ اَبرار پر
کفر پر، اِک دن، مَشیّت کو جلال، آ ہی گیا — میرے آقا کی محبت کا سوال، آ ہی گیا
صورتیں، تسکین کی، نکلیں دلِ سیماب سے — اِک کرن، پھوٹی اچانک، چرخ پر، مہتاب سے
اُس کرن کو اہلِ دل، احمد رضا، کہنے لگے

☆☆☆

جس احمد رضا نے ہمیں، اجمیر کا پیار دیا۔ جس احمد رضا نے ہمیں، اجمیری بنایا۔
جس احمد رضا نے ہمیں، خواجہ غریب نواز کی محبت دی۔

اے امامِ قوم! اُمّت کے نگہباں! زندہ باد
اے امامِ قوم! صوفی کے نگہباں! زندہ باد
زندہ باد! اے صوفیِ احمد رضا خاں! زندہ باد

☆☆☆

مولانا ثاقب اقبال، شامی کی تقریر، ختم ہوتے ہی، مولانا سید تنویر، ہاشمی، بیجاپوری (صدر عُلما و مشائخ بورڈ۔ صوبہ کرناٹک، انڈیا) نے، بلا تاخیر، اپنا خطاب، شروع کر دیا۔ جس کا ایک خاص حصہ، درجِ ذَیل ہے:

''ہم، آپ کو، بتانا چاہتے ہیں کہ:
ہمیں، اہلِ سنّت کا سرٹیفکٹ لینے کی:
یا۔ اہلِ سنّت کی سند لینے کی، کسی سے ضرورت، نہیں ہے۔
آپ، ہمیں، کلمہ پڑھانے کی کوشش، نہ کریں۔
ہمارے بابا، داداؤں نے، آپ کے بابا، داداؤں کو، کلمہ پڑھایا ہے۔
کسی مولوی، یا۔ کسی عالم کی سند، یا۔ فتوے کے محتاج نہیں ہیں۔''

خدا کی قسم! درود و سلام، حضور کے گھرانے پر، بھیجا جاتا ہے۔ کسی اور کے گھرانے پر، نہیں۔''
مذکورہ دونوں خُطَبَا نے جو کچھ، مذکورہ خطاب میں کہا، اُس کا جائزہ لیجیے تو، حسبِ ذیل خلاصہ، اُبھر کر، سامنے آئے گا۔

مولانا ثاقب اقبال، شامی کی مذکورہ تقریر کے بنیادی نکات، درجِ ذیل ہیں:
(۱) دہشت گردوں کی صرف، دہشت گردی نہیں، بلکہ:

ان کی، امامت کے خلاف بھی، فتویٰ، جاری کیا جائے کہ:
گستاخِ رسول دہشت گرد، کسی بھی مسجد کا امام ہو، مکہ اور مدینہ کی مسجد کا بھی امام ہو، **تو، اس کے پیچھے، نماز پڑھنا، جائز نہیں۔**

بِالخصوص، پروفیسر، طاہر القادری صاحب، یہ فتویٰ بھی، صادر فرمائیں کہ:
گستاخِ رسول دہشت گردوں کی اِقتدا میں، نماز، جائز نہیں۔
کیوں کہ: گستاخانِ رسول کے بارے میں، ہمارے اکابر کا، یہی فتویٰ اور یہی نظریہ ہے۔

(۲) امام احمد رضا نے ہمیں، بزرگوں کی بارگاہ کا ادب شناس بنایا۔
غوثِ اعظم، سیدنا عبد القادر جیلانی، بغدادی کی عقیدتوں کے چراغ، ہمارے دلوں میں، روشن کیے، اور ہمیں، **قادری**، بنایا۔
عطاے رسول، سلطانُ الْہند، حضرت خواجہ معین الدین چشتی، اجمیری کی محبت و عقیدت، ہمارے دل میں فزوں تر، کی۔ آپ کے شہرِ مقدس **''اجمیر شریف''** کا، دریوزہ گر بنا کر، ہمیں، **اجمیری**، بنایا۔
اور، دیگر اکابر صوفیہ و مشائخ کرام کا، ہمیں، عقیدت مند بنایا۔
بزرگوں کی چوکھٹ سے ہمیں، وابستہ کیا۔ ان کی غلامی کو، ہمارے لئے، باعثِ افتخار بنایا۔

(۳) بدمذہب دہشت گرد، اتنے شاطِر وعَیّار ہیں کہ:
جب، ان کے سامنے، اکابرِ اُمّت، جلیلُ الْقَدر صوفیہ و مشائخِ کرام کا نام لیا جائے،
تو، وہ، کہہ دیتے ہیں کہ:
ہم، ان سب کا احترام کرتے ہیں۔ یہ تو ہمارے بھی بزرگ ہیں۔''

ربِّ کعبہ کی قسم! چودھویں صدی کے عُلماے عرب میں، عاشقِ رسول، عارف بِاللہ، حضرت شیخ یوسف بن اسمٰعیل، نبہانی (بیروت، لبنان۔ وصال ۱۳۵۰ھ) کی ذاتِ گرامی، ایسی ہے کہ جن کی تعلیمات و نظریات، سَوادِ اعظم اہلِ سنّت و جماعت کے عین مطابق ہیں۔
آپ کی ذات، محبوب و مقبولِ بارگاہِ خدا و رسول ہونے کے ساتھ، ہمارے لئے معیارِ حق بھی ہے۔ **سرزمینِ عرب کے، بدنصیب، بدمذہب، آپ کو، سخت ناپسند کرتے ہیں۔**
آپ کی تعلیمات و نظریات اور امام احمد رضا کی تعلیمات و نظریات میں، مکمل، ہم آہنگی ہے۔
چودھویں صدی ہجری کے مشاہیر عُلماے ہند میں، امام احمد رضا کا ایک،

ایسا نام ہے جسے، بدمذہب دہشت گرد، سننا بھی، گوارا نہیں کرتے۔

امام احمد رضا کا نام، سنتے ہی، بدمذہبوں کے چہرے کا رنگ، زَرد پڑ جاتا ہے۔"

مولانا ثاقب اقبال، شامی کے مذکورہ بالا خیالات میں شخصیات کا کوئی مقابلہ وموازنہ ہرگز نہیں۔ یہ حضرات تو آپ کے آقایانِ نعمت ہیں، اور آپ، ان کے نیازمند وعقیدت کیش۔

یہاں تو، صرف، یہ بتانا، مقصود ہے کہ:

ہندو پاک کے بدمذہبوں کے سامنے، کسی بڑے سے بڑے بزرگ کا نام لیجیے۔

تو، وہ، آسانی کے ساتھ، کہہ دیتے ہیں کہ:

انھیں تو، ہم بھی مانتے ہیں۔ ہم، بھی، ان کا احترام کرتے ہیں۔

لیکن "امام احمد رضا" کا نام، سنتے ہی، اُن کے چہرے کا رَنگ، بدل جاتا ہے۔

کیوں کہ: وہابیت وبدمذہبی کے خلاف، زندگی بھر، آپ کا قلم، چلتا رہا۔

اور، ان کے قلع قمع میں، آپ کا نمایاں ترین کردار ہے۔

مولانا ثاقب، شامی کا، یہ بیان، بالکل صحیح اور عین مطابقِ واقعہ ہے۔

اور، ان کا، یہ کوئی، نیا خیال اور نئی بات نہیں۔ بلکہ، ایک صدی پرانی بات ہے۔

اہلِ سنّت وجماعت کے ایک جلیلُ القدر عالم، حضرت مولانا قادر بخش، سہسرامی (وصال رجب ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء) نے آج سے، ایک صدی قبل، یہی ارشاد فرمایا ہے۔

دیگر بے شمار عُلماے اہلِ سنّت بھی اپنا، یہی خیال، ظاہر کرتے۔ بلکہ، اپنا، یہی تجربہ بتاتے ہیں۔

حضرت مولانا ظفر الدین، قادری رضوی، عظیم آبادی (وصال ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) تحریر فرماتے ہیں:

"مولانا مولوی قادر بخش صاحب سہسرامی، ایک بہت بڑے مشہور عالم، اور زبردست واعظ تھے۔

ایک مرتبہ، بہ سلسلۂ وعظ، موضع رجہت، ضلع گیا (صوبہ بہار) تشریف لے گئے۔

یہ بستی، ساداتِ کرام کی ہے۔ اس بستی کے لوگ، سجادہ نشینانِ سہسرام (صوبہ بہار) کے رشتہ دار ہیں۔ ان کی شادیاں، اِس وقت تک، رجہت اور پچروکھی وغیرہ میں، ہوا کرتی ہیں۔

رجہت ہی کے رہنے والے، میرے دوست، مولانا سید شاہ غیاثُ الدّین صاحب، چشتی، نظامی، فخری، رجہتی، بہاری۔ اور پچروکھی کے رہنے والے، میرے مخلصِ محترم، مولانا، مولوی،

سید، احمد عالَم صاحب، قادری برکاتی، رضوی، صدر مدرس، مدرسہ بسرام پور، شیر گھاٹی، ہیں۔

یہاں کے باشندے، پہلے، سب کے سب، حنفی تھے۔

تھوڑے دنوں سے کچھ، وہابیت کا اثر ہوگیا ہے۔ اور کچھ لوگ، غیر مقلّد ہوگئے ہیں۔

ان لوگوں کی برادری کی وجہ سے، سجادہ نشین صاحب سہسرام کے یہاں، آمد ورفت ہے۔

مگر، اختلافِ مذہب کی وجہ سے مسجد میں اعلانِ مذہب، ممنوع تھا۔

تا کہ: اختلاف وانتشار، نہ پیدا ہو۔

وہ لوگ، جب آتے، کمرے ہی پر، نماز ادا کیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ، رجہت کے سُنّیوں نے مولانا مولوی قادر بخش صاحب، سہسرامی کو، وعظ کے لئے رجہت (ضلع گیا۔ صوبہ بہار) بلایا۔

وعظ کے بعد، کھانا، کھانے کے لئے بیٹھے تو کسی نے پوچھا:

مولانا! سنّی اور وہابی کی کیا پہچان ہے؟

ایسی بات بتائیے، جس کو، ہم لوگ بھی سمجھ سکیں۔ اور اس کے ذریعہ، سنّی وہابی کو، پہچان سکیں۔ کوئی، بڑی علمی بات، نہ ہو۔

انھوں نے فرمایا: ایسا آسان، عمدہ اور کھرا قاعدہ، آپ لوگوں کو، بتادیتا ہوں کہ:

اس سے اچھا ملنا، مشکل ہے۔

آپ، جب کسی کے بارے میں مُشتبہ ہوں کہ: سنّی ہے، یا۔ وہابی بدمذہب؟

تو، اُس کے سامنے، مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا تذکرہ، چھیڑ دیجیے۔

اور، اس کے چہرے کو، بغور، دیکھیے۔

اگر، چہرے پر، بَشاشت اور خوشی کے آثار دیکھیے تو یقین جانیے کہ: سنّی ہے۔

اور اگر، چہرے پر، پژمردگی اور کدورت دیکھیے تو سمجھیے کہ: وہابی ہے۔

اور اگر، وہابی نہیں، جب بھی، اس میں کسی قسم کی بے دینی، ضرور ہے۔

اِس زمانے میں، لَایُحِبُّهٗ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَ لا یُبْغِضُهٗ اِلَّا مُنَافِقٌ۔

یہ ضمیریں، مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی طرف، پھرتی ہیں۔

اِس لئے جتنے، اہلِ سنّت ہیں، سب، اعلیٰ حضرت کے مَدّاح، بلکہ عاشقِ صادق اور محبِّ مخلص ہیں۔

ان مخلصوں میں بالخصوص، یہ چند حضرات، خاص طور پر، قابلِ ذکر ہیں:

(۱) حضرت سیدنا، سید شاہ **ابوالحسین احمد نوری** میاں صاحب، مارہروی۔

(۲) حضرت سیدنا، سید شاہ ابوالقاسم **اسمٰعیل حَسَن** میاں صاحب، مارہروی۔

(۳) حضرت تاجُ الفُحول، محبُّ الرسول، مولانا **شاہ عبدالقادر** صاحب، بدایونی۔

(۴) حضرت ابوالذَّکا، سراجُ الدین، **شاہ سلامت اللہ** صاحب، رام پوری۔

(۵) حضرت استاذِ زَمَن، مولانا **شاہ احمد حَسَن صاحب**، کان پوری۔

(۶) حضرت صوفیِ باصفا، مولانا **شاہ محمد حسین صاحب**، الٰہ آبادی۔

(۷) حضرت مولانا **شاہ محمد شفیع صاحب**، ناصر، رام پوری، سہارن پوری۔

(۸) حضرت مولانا **شاہ، وصی احمد** صاحب، محدّث سورتی۔

(۹) حضرت مولانا سید **شاہ، دیدار علی صاحب**، الوَرِی۔ (ثُمَّ لاہوری)

(۱۰) جناب، مولانا قاضی **عبدالوحید** صاحب، عظیم آبادی۔

(۱۱) جناب، حاجی **محمد لعل خاں** صاحب، مدراسی۔

(۱۲) جناب، مولانا مولوی **محمد رحیم بخش** صاحب، آروی، بانیِ مدرسہ فیضِ الغُرَبا، آرہ۔ **وغیرھُم۔**"

(ص ۱۳۲ و ص ۱۳۳۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت، مکمل۔ مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور)

چودھویں صدی ہجری میں، بینَ الاقوامی سطح پر، دعوت و تبلیغِ اسلام کا فریضہ، انجام دینے والی سب سے **عظیم، آفاقی شخصیت**، مبلِّغِ اسلام، حضرت مولانا الشاہ محمد عبدالعلیم، صدیقی، میرٹھی (وصال ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۴ء۔ مدفون، جنتُ البقیع، مدینہ منورہ) کی طرف سے،

بارگاہِ امام احمد رضا میں اصحابِ شریعت و طریقت کے نمائندہ و ترجمان کی حیثیت سے، یہ منظوم خراجِ تحسین، بڑا ہی روح پرور، اور ایمان افروز ہے:

تمھاری شان میں جو کچھ کہوں، اُس سے سِوا، تم ہو
قسیمِ جامِ عرفاں، اے شہِ احمد رضا، تم ہو
غریقِ بحرِ اُلفت، مَستِ جامِ بادۂ وحدت
محبِّ خاص محبوبِ حبیبِ کبریا، تم ہو
جو، مرکز ہے شریعت کا، مدار اہلِ طریقت کا
جو، محور ہے حقیقت کا، وہ قطبُ الاولیا، تم ہو

یہاں آ کر، مِلیں، نہریں، شریعت اور طریقت کی
ہے سینہ، مجمعُ البحرین، ایسے رہنما، تم ہو
عرب میں جاکے، اِن آنکھوں نے دیکھا، جس کی صولت کو
عجم کے واسطے، لارَیب! وہ قبلہ نُما، تم ہو
تمھیں، پھیلا رہے ہو، علمِ حق، اَکنافِ عالَم میں
امامِ اہلِ سُنَّت، نائبِ غوثُ الوَریٰ، تم ہو
علیمِ خستہ، ایک ادنیٰ گدا ہے، آستانے کا
کرم فرمانے والے، حال پر، اس کے، شہا، تم ہو



مولانا ثاقب اقبال، شامی کا خطاب، بیشتر اسٹیج نشین حضرات نے بڑے اضطراب کے ساتھ، بادلِ ناخواستہ سنا۔ اور، یہ خطاب، ختم ہوتے ہی، مولانا سید تنویر ہاشمی، بیجاپوری (صدر علما و مشائخ بورڈ۔ صوبہ کرناٹک، انڈیا) نے مائک سنبھالا اور اِس طرح، بولنے لگے، جیسے، وہ، کسی وجہ سے، بہت پہلے ہی:

غصہ میں بھرے، اور بُخار میں تپے ہوئے ہیں۔

گذشتہ صفحات میں، نقل کیے گئے، ان کے خطاب کے خاص نِکات، یہ ہیں۔

(۱) اپنے سُنّی ہونے کی، ہمیں، کسی عالم سے کوئی سند، لینے کی ضرورت نہیں۔

(۲) ہمارے باباؤں، داداؤں نے، آپ کے باباؤں، داداؤں کو، کلمہ پڑھایا ہے۔

(۳) درود و سلام، ہمارے (سادات) گھرانے پر، بھیجا جاتا ہے۔

کسی اور کے گھرانے پر، نہیں بھیجا جاتا ہے۔

مذکورہ تینوں باتوں میں سے کوئی بات، کہنے کی، یہاں قطعاً، کوئی ضرورت نہیں تھی۔

مولانا سید تنویر، ہاشمی صاحب، زیادہ سے زیادہ، اپنے اِس خیال کا اظہار کر سکتے تھے کہ:

"اِس اسٹیج سے، پروفیسر، طاہر القادری صاحب سے، اپنے کسی اختلاف کا اظہار، **نہیں، کرنا چاہیے تھا، نہ ہی، ان سے کوئی سوال، کرنا، چاہیے تھا۔**"

(اور یہ بھی محض، اِس وجہ سے کہ اس اسٹیج پر، تشریف فرما، اچھے خاصے حضرات، وہ، ہیں، جو پروفیسر، طاہر القادری کے حامی ہیں۔ یا۔ ان کے بارے میں کچھ زیادہ ہی، نرم گوشہ، رکھتے ہیں)

مولانا سید تنویر، ہاشمی نے جس کلمہ خوانی کا ذکر کیا ہے، اُس کے بارے میں،

صرف، اتنا کہا جا سکتا ہے کہ:

جب بھی، جس نے، جس کسی کو، کلمہ پڑھایا اور جس نے کلمہ پڑھا، اُن دونوں پر، اللہ تبارک وتعالیٰ کی بے شمار، رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہو۔ جنّتُ الفردوس میں، ان کے درجات، بلند ہوں۔ اور ان کی نسل وذُرِّیَّت کو، اپنے بزرگ اسلافِ کرام کے نقشِ قدم پر، چلتے رہنے کی توفیق وسعادت، حاصل ہو۔ آمِین! **بِجَاہِ حَبِیْبِہٖ سَیِّدِ الْمُرْسَلِین عَلَیْہِ وَ عَلیٰ آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ الصَّلوٰۃُ وَ التَّسلیم۔**

کسی سُنّی کو، نہ اِس کی، کوئی ضرورت ہے کہ:

وہ، کسی سُنّی عالِم سے، اپنے سُنّی ہونے کی سند لے، نہ ہی کسی کو، اُسے سند، دینے کی ضرورت ہے۔

ہاں! فارغ التَّحصیل سُنّی عالم ہونے کے لئے ضرور، اس کی ضرورت ہے کہ، وہ:

کسی مُعتمد ومُستند سُنّی عالم سے سند، حاصل کرے۔ اور وہ، سُنّی عالم، اُسے سندِ عالمیت وفضلیت، عطا فرمائے۔ عُلما کے درمیان، صدیوں سے یہی معمول، چلا آرہا ہے۔ **فَافْہَمْ وَ تَدَبَّر۔**

مولانا سید تنویر ہاشمی، بیجاپوری، نہ جانے کس جوش وجذبہ میں، درود وسلام کے بارے میں **وہ، بات کہہ گئے، جسے ادنیٰ درجہ کا بھی، کوئی مولوی، نہیں کہہ سکتا۔**

اور کسی سید کی زبان سے تو، یہ دعویٰ، کچھ عجیب سا لگتا ہے۔

مولانا سید تنویر، ہاشمی، بیجاپوری کو، اپنی دینی معلومات کا قبلہ، درست رکھنا چاہیے۔

اور، فوری طور پر، اپنے خیال کی اِصلاح کی طرف، توجہ دینی چاہیے کہ:

درود وسلام کے صیغے اور کلمات، مَسنون و ماثور ہونے کے ساتھ، عُلما وصُلحا وبزرگانِ دین نے اپنے طور پر بھی، بیان کیے اور تحریر فرمائے ہیں۔

مولانا تنویر، ہاشمی نے منقول ومتوارث درود وسلام میں، جا بجا پڑھا ہوگا کہ:

وَعَلیٰ آلِہٖ و اَصحَابِہٖ وَحِزْبِہٖ۔

اور اس کے ساتھ، یہ بھی پڑھا ہوگا کہ:

وَ مَنِ اتَّبَعَھُم بِاِحْسَانٍ اِلیٰ یَومِ الدِّین۔

اہلِ بیت اَطہار ہوں کہ صَحابۂ کرام۔ تابعین ہوں کہ تبع تابعین۔ اَئمہ مجتہدین ہوں کہ فُقَہائے اسلام۔ محدِّثین ہوں کہ مفسِّرین۔ عُلما ہوں کہ مشائخ وصوفیہ۔ یہاں تک کہ عامّۂ مسلمین۔ ان سب پر، بِالتَّبع، درود وسلام، بھیجا جاتا رہا ہے اور بھیجا جاتا رہے گا۔

میرے استاذ، ماں باپ، بھائی بہن
اہل و وُلد و عَشِیرت پہ لاکھوں سلام
ایک میرا ہی رحمت میں دعویٰ نہیں
شاہ کی ساری اُمّت پہ لاکھوں سلام

☆☆☆

مولانا سید تنویر، ہاشمی، بیجاپوری، اُس "عُلما ومشائخ بورڈ" کے ایک مرکزی قائد ہیں، جس کا تعارف ہی، اِس نعرے کے ساتھ، ہوا ہے کہ: **ہمیں، وہابیوں کی امامت، قبول ہے، نہ قیادت۔**

ایسی صورت میں، انھیں، پوری صراحت کے ساتھ، یہ اعلان کرنا چاہیے تھا کہ:

ہم، نماز میں، وہابیوں کی اِقتدا کو، ناجائز سمجھتے ہیں۔"

ساتھ ہی صوفی کانفرنس کے مہمانِ خصوصی، پروفیسر، طاہر القادری سے، انھیں، اس کی گزارش، ضرور کرنی چاہیے تھی کہ:

پروفیسر، طاہر القادری صاحب اپنی تقریر میں، وہابیوں اور بدمذہبوں کی امامت کے بارے میں، اپنا موقف، واضح کردیں۔" (کیوں کہ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ وہابیوں، بدمذہبوں کی اِقتدا میں، انھوں نے نماز پڑھی ہے)

اور خود، پروفیسر، طاہر القادری صاحب کو، چاہیے تھا کہ:

وہ، صاف لفظوں میں، وہابیوں، بدمذہبوں کی امامت کے عدمِ جواز کا اعلان کردیں۔"

مگر، افسوس کہ ایسا، کچھ، نہ ہوسکا۔

اور پروفیسر، طاہر القادری صاحب نے، اپنی اِس ذِمّہ داری کو، نظر انداز کرتے ہوئے، اس مسئلہ میں مکمل خاموشی، اختیار کی۔

یہ مسئلۂ اِمامت، کوئی اختلافی مسئلہ نہیں ہے کہ:

یہ بہانہ کرکے، دامن چھڑالیا جائے کہ:

اس مسئلہ میں عُلمائے اہلِ سنّت کا اختلاف ہے۔

بعض عُلما، یہ کہتے ہیں۔ اور بعض، وہ کہتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

(گذشتہ مضمون "صوفی کانفرنس (نئی دہلی) سے متعلق، چند مَعروضات" اور زیرِ نظر تحریر "فیس بُک" پر، آنے کے بعد، بیرونِ ملک سے کئی وابستگانِ مِنْہاجُ القرآن نے بذریعۂ فون، مجھے بتایا کہ:

حضرت شیخ الاسلام سے متعلق، صرف، ایک بار، کسی بد مذہب کی اِقتدا کی بات، صحیح ہے۔
مگر، عُلَماے اہلِ سُنّت کی تفہیم وتنبیہ کے بعد، حضرت شیخُ الاسلام نے، کبھی، کسی بد مذہب کی اِقتدا میں، کوئی نماز نہیں پڑھی۔ نیز، یہ کہ ''حُسامُ الحَرمین'' میں، جن کی تکفیر کی گئی ہے، آپ بھی، ان کی تکفیر کے قائل ہیں۔'' وَاللّٰہُ الھَادِی اِلیٰ سَوَاءِ السَّبِیل۔ مصباحی۔ ۱۵/اپریل ۲۰۱۶ء)

سمجھنے والے، اچھی طرح، سمجھ رہے ہیں کہ:

مولانا ثاقب شامی کے بعد ہی، مولانا سید تنویر، ہاشمی کے بلا تاخیر خطاب کی ایک بڑی وجہ، یہ ہوسکتی ہے کہ:

مولانا شامی نے: **بریلی کے مرد قلندر کا ذکر، کیوں چھیڑ دیا؟**

اِس ذکر کی ناگواری کی وجہ یہ ہے کہ: بعض حضرات کے خیال کے مطابق، مولانا احمد رضا بریلوی، عالم و مفتی ہیں۔ مگر، صوفی کہاں ہیں اور تصوف سے ان کا کیا واسطہ؟

غوثِ اعظم، سیدنا عبد القادر جیلانی، بغدادی اور خواجۂ اعظم، سیدنا معینُ الدین چشتی، اجمیری رَضِیَ اللّٰہُ عَنہُمَا کا نام لیا تو اچھا کیا۔ **مگر ''احمد رضا'' کا نام لینے کی، کیا ضرورت تھی؟**

مولانا سید تنویر ہاشمی، جس وقت، گذشتہ صفحات میں مذکور، اپنے خیالات کا اظہار کر رہے تھے، اُس وقت، اسٹیج نشین حضرات، جس پُر جوش اور والہانہ انداز میں، سُبحٰنَ اللّٰہ اور، واہ واہ کی صدائیں، بلند کر رہے تھے اور ساتھ ہی کچھ، تالیاں بھی، بج رہی تھیں، ان سب حرکات وسکنات سے:

ہر صاحب علم اور ہر صاحبِ عقل وشعور، اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ:
اسٹیج نشین حضرات کی اچھی خاصی تعداد، بُخار زدہ ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنہُ۔

''**عُلَما ومشائخ بورڈ**'' صوبہ کرناٹک کے صدر: مولانا سید تنویر ہاشمی کے بارے میں، ابھی ۳/اپریل، بروز اتوار، حافظ قمرالدین، رضوی (رضوی کتاب گھر، مٹیا محل، دہلی) نے دارُالقلم (ذاکر نگر، نئی دہلی) میں، مجھ سے، بیان کیا کہ:

مولانا سید تنویر، ہاشمی، بیجاپوری، صوفی سیمینار و کانفرنس، نئی دہلی (منعقدہ ۱۷/ تا ۲۰/ مارچ ۲۰۱۶ء) سے، ایک روز پہلے، رضوی کتاب گھر (مٹیا محل، دہلی) کے آفس میں تشریف لائے اور، دَورانِ گفتگو، انھوں نے فرمایا کہ:

بچپن سے، کانگریس کو، دیکھ رہے ہیں کہ: اس نے مسلمانوں کے لئے کچھ نہیں کیا۔
اب، سوچا اور پروگرام بنایا گیا ہے کہ: بھاجپا کو بھی، آزما کر، دیکھ لیا جائے۔''

ایک تعجب خیز اور حیرت انگیز بات، یہ بھی ہے کہ:

وِگیان بھون، نئی دہلی کے صوفی سیمینار (۱۷/مارچ ۲۰۱۶ء) میں، کچھ مدعو سامعین وحاضرین نے ''**بھارت ماتا کی جَے**'' کا، **شرک آمیز نعرہ، کیوں اور کیسے لگایا؟**

جب کہ دہلی کی مسلم تنظیموں کی طرف سے، ہر سال، بہت سے سیمینار اور بہت سی کانفرنسیں، مختلف ہالوں میں، ہوتی رہتی ہیں۔ **جن میں آج تک، کبھی، ایسا کوئی نعرہ نہیں لگا۔**

اور اگر، کچھ لوگوں نے ''بھارت ماتا کی جَے'' کا نعرہ لگا ہی دیا تو اسٹیج نشین عُلَما و مشائخ نے **مداہنت آمیز مصلحت کے ساتھ، مکمل سکوت اور خاموشی کا مظاہرہ، کیوں کیا؟**

جب کہ اِس، شرک آمیز نعرہ کے سلسلے میں مصلحتِ شرعی کا شدید اور لازمی تقاضا یہی تھا کہ:
بلا تاخیر، کوئی بھی ذِمّہ دار عالم، مسلمانوں کے شرعی موقف کا اظہار واعلان کر دے۔

ہاں! وطن دوستی کے جذبے سے ''ہندوستان! زندہ باد'' کا نعرہ بھی، لگایا جاسکتا تھا۔

ایسا کچھ، نہ ہونے ہی کا فوری اثر، یہ ہوا کہ:

بھارت ماتا کی جَے کا نعرہ، لگنے کے ساتھ ہی، ٹی وی چینل، یہ سنسنی خیز خبر نشر کرنے لگے کہ:
صوفی سیمینار، بھارت ماتا کی جَے کے ساتھ، شروع ہوگیا۔''
بھارت ماتا کی جَے کے نعرہ سے گونج اٹھا، وِگیان بھون۔'' وغیرہ وغیرہ

اس خبر سے کروڑوں مسلمانوں کے درمیان، اضطراب و بے چینی کی لہر، دوڑ گئی۔
اور عُلَما و مشائخ کے تعلق سے، بہت سے مسلمان، بدگمانی میں مبتلا ہوئے۔

جس کے بعد، طرح طرح کی، چہ می گوئیاں، ہونے لگیں۔

سب سے اہم، اور بنیادی عقیدۂ توحید سے جُڑے ہوئے،
اِس ''شرک آمیز نعرہ'' اور حسّاس مسئلہ پر، ایسی مداہنت آمیز خاموشی، نا قابلِ فہم ہے۔

دوسری طرف، صوفی کانفرنس (۲۰/ مارچ۔ رام لیلا میدان) میں، اتنی تیزی اور اتنا جلال کہ مولانا ثاقب، شامی کے اظہارِ کلمۂ حق کے فوراً بعد، مولانا تنویر، ہاشمی کا خطاب، ضروری سمجھا گیا۔

یہ طرزِ فکر و عمل، کس ذہنیت اور کس سیاست کی غمازی کر رہا ہے؟

آپ ہی اپنے ذرا، فکر و عمل کو دیکھیں
ہم، اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

صوفی سیمینار (۱۷/مارچ) میں، لگنے والے نعرے کے سلسلے میں، شرعی ذِمّہ داری:

کسی دنیاوی اور سیاسی مصلحت، اور شری، نریندر مودی کے خوف سے، ادا نہ کی جا سکی تو، صوفی کانفرنس (۲۰؍مارچ) میں، اپنے شرعی موقف کی وضاحت سے، **ایسی کیا معذوری و مجبوری تھی؟**

کیا بنے بات، جہاں بات بنائے، نہ بنے

اور، آج کل تو پورے ملک کا ماحول، اتنا گرم ہو چکا ہے کہ:

دہلی کے ایک پارک میں کھیلتے ہوئے چند مسلم طلبہ کو، بعض شر پسند و فسادی ہندو نوجوانوں نے ''**بھارت ماتا کی جَے**'' کا نعرہ لگانے پر، مجبور کیا۔ اور ان کے انکار پر، انھیں زدوکوب کیا گیا۔

یہاں تک کہ ایک طالب علم کے ہاتھ کی ہڈی، ٹوٹ گئی۔

اُن طلبہ کی ٹوپیوں کو، پاؤں سے، روندا گیا۔

ضلع ٹوساری (گجرات، انڈیا) میں ایک کرکٹ میچ کے دَوران، مسلمانوں کو ''وندے ماترم'' اور ''**بھارت ماتا کی جَے**'' کہنے پر، مجبور کیا گیا۔ **انھیں مارا پیٹا گیا اور داڑھی، نوچی گئی۔**

مشہور، یوگا گرو ''بابا رام دیو'' نے بیان دیا کہ:

اگر، قانون کا خوف، نہ ہوتا تو بھارت ماتا کی جَے، نہ کہنے والے بہت سے لوگوں کا **سر، دَھڑ سے، جدا کر دیا جاتا۔''**

صوبہ مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ، شری دیویندر فڑنویس نے بیان دیا کہ:

جسے ''بھارت ماتا کی جَے'' نہ کہنا ہو، وہ، کہیں اور چلا جائے۔''

(روزنامہ انقلاب، نئی دہلی (ص ۷۔ شمارہ ۲۸؍اپریل ۲۰۱۶ء) نے ایک نمایاں سرخی کے ساتھ، یہ خبر شائع کی ہے کہ:

''عام آدمی پارٹی کے قومی صدر، شری کیجریوال، وزیر اعلیٰ دہلی نے ''عام آدمی پارٹی'' کی قومی مجلسِ عاملہ کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ:

بی، جے، پی (بھارتیہ جنتا پارٹی) کا پورا زور، ملک میں غنڈہ گردی پھیلانے میں لگا ہوا ہے۔ وہ، غنڈہ گردی کے دَم پر ہی، لوگوں سے زبردستی ''بھارت ماتا کی جَے'' کہلوانا، چاہتی ہے۔''

مصباحی۔ ۲۸؍اپریل ۲۰۱۶ء)

آخر! اِس نعرے پر، اتنا زور دینے کی وجہ کیا ہے؟ **کوئی خاص بات، ضرور ہے۔**

اور وہ، یہ ہے کہ کالی ماتا، دُرگا ماتا، سَرسوتی ماتا کی طرح، بھارت ماتا بھی، ایک دیوی ہے جس کی پوجا کی جاتی ہے۔ اور اس بھارت ماتا کی طرح طرح کی تصاویر، بنائی جاتی ہیں۔

جس میں سے ایک، یہ ہے کہ:

ملک کے جغرافیائی نقشے سے، اُبھرتی ہوئی ایک دیوی کی تصویر ہے۔ جس کے ہاتھ میں بھگوا جھنڈا ہے۔ اور اس پر، **پھول مالا** چڑھانے کے ساتھ، اس کی **عبادت** بھی کی جاتی ہے۔

جو، شرک ہی شرک ہے۔ اور اسے کوئی مسلمان، ایک لمحہ کے لئے بھی قبول، بلکہ برداشت بھی نہیں کر سکتا۔

کسی بھی مسلمان کا، اپنا ملک و وطن، اور اس کی خاک، اُس کے لئے:

''محبوب'' تو ہے۔ مگر ''معبود''، ہرگز نہیں ہو سکتی۔

صوفی سیمینار (۱۷؍مارچ) میں، جن چند مدعو سامعین و حاضرین نے ''بھارت ماتا کی جَے'' کا شِرک آمیز نعرہ لگایا، اُن کا، یہ عمل، دانستہ تھا۔

اور، ٹی وی چینل نے جس تیزی اور سرگرمی کے ساتھ، اسے نشر کیا، وہ، بھی منصوبہ بند تھا۔

نیز، یہ کہ: **میڈیا والے، ایسی ہی، کسی سنسنی خیز خبر کی تاک میں لگے رہتے ہیں۔**

ایک ٹی وی چینل نے پروفیسر، طاہر القادری صاحب سے مختلف سوالات کرتے ہوئے، وَندے ماترم، اور بھارت ماتا کی جَے اور وطن کی سرزمین کو، ماں کا درجہ، دیے جانے، کے بارے میں، سوال کیا۔ جس کے جواب میں، بلا کسی استثنا کے، پروفیسر، طاہر القادری صاحب نے اسے، **اسلامی تعلیمات کے، عین مطابق، قرار دیا۔**

۱۷؍مارچ کو، اے بی پی، نیوز چینل نے جو، انٹرویو، نشر کیا، اُس کا آخری سوال و جواب، **سائل و مُجیب کے الفاظ میں، اس طرح ہے:**

سوال: ایک اور خبر، جو یہاں پر، سُرخیوں میں ہے، اُس پر، میں، آپ کی رائے جاننا چاہتا ہوں۔

کیوں کہ آپ، اسلام کے بڑے اسکالر بھی ہیں۔

''یہ کہا جاتا ہے کہ۔ یہاں پر، ایک بحث، یہ ہے کہ:

بھارت ماتا کی جَے، وندے ماترم، وطن کی سرزمین کو، ماں کا درجہ دینا!

یہ نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ، یہ اسلام کے خلاف ہے۔

آپ، کیا کہیں گے اِس پر؟

جواب: دیکھیے! وطن کی سرزمین کو، ماں کا درجہ دینا، وطن کی سرزمین سے محبت کرنا، وطن کی سرزمین سے پیار کرنا، وطن کی سرزمین کے لئے جان بھی دے دینا:

یہ، ہرگز، اسلام کے خلاف نہیں ہے۔ عین اسلام کی تعلیمات میں، داخل ہے۔

حضور عَلَيْهِ السَّلام نے اس کی تعلیمات، دی ہیں۔
جو شخص، وطن سے محبت کرنے کے خلاف، بات کرتا ہے۔
اِس کو، اسلام کے خلاف، سمجھتا ہے۔ اُسے چاہیے کہ:
قرآن کو، پڑھے۔ حدیث کو پڑھے۔ اسلامی تاریخ کو، پڑھے۔ اور اپنی جہالت کو، دور کرے۔"
اس جواب کے ساتھ ہی، انٹرویو، ختم ہوتا ہے۔ اور انٹرویو لینے والا، اِس طرح:
شکریہ، ادا کرتا ہے:
"بہت بہت شکریہ! آپ کا، طاہر القادری صاحب! ہمارے ساتھ، جُڑنے کے لئے۔
اور ہم، امید کرتے ہیں کہ: جو، امید، آپ لے کر آئے ہیں، اُس امید پر ہی، بھارت پاکستان، رشتوں کا، کارواں، آگے بڑھے۔ بہت بہت شکریہ۔" (اے، بی، پی چینل۔ ۷؍مارچ ۲۰۱۶ء)
معزّز و باشعور قارئینِ کرام! انصاف و دیانت کا دامن، تھام کر، بتائیں کہ:
عقیدۂ توحید سے جُڑے ہوئے اتنے حسّاس اور نازک مسئلہ پر،
اتنا غیر ذمّہ دارانہ اور مداہنت آمیز جواب:
"سوالِ دیگر، جوابِ دیگر" ہے۔ یا نہیں؟
"مارو گھٹنا، پھوٹے سر" والی مثال، اِس پر، صادق آتی ہے۔ یا نہیں؟
کسی اسلامی اسکالر کا، یہ جواب ہے، یا۔ کسی سرکاری درباری مولوی کا جواب ہے؟
اپنی ناقص قرآن فہمی و حدیث دانی اور پندارِ علم میں، عُلماے ہند کو، یہ جَسارت آمیز مشورہ دینا کہ:
قرآن و حدیث، پڑھیں اور اپنی جہالت، دور کریں۔"
کیا، اِسے ہی نہیں کہتے ہیں کہ: اُلٹا چور، کوتوال کو، ڈانٹے؟"
فَاعْتَبِرُوْا يٰأُولِي الْاَبْصَار۔
ایک حیرت انگیز معاملہ، یہ بھی ہے کہ پروفیسر، طاہر القادری صاحب نے اپنے خصوصی خطاب (بتاریخ ۲۰؍مارچ ۲۰۱۶ء۔ بمقام، رام لیلا میدان، نئی دہلی) میں اُس "اِعلامیہ" کی تائید و توثیق کی ہے، جس میں "متحدہ قومیت" کی تائید و توثیق کی گئی ہے۔
چنانچہ، پروفیسر صاحب فرماتے ہیں:
"آل انڈیا علما و مشائخ بورڈ کی طرف سے، حضرت سید محمد اشرف صاحب نے جو "ڈکلریشن" (اِعلامیہ) پیش کیا ہے، مَیں اُس کی مکمل حمایت کا اعلان کرتا ہوں۔"

(پروفیسر، طاہر القادری کے خطاب کا ایک حصہ، جو، انھیں کے الفاظ میں، یہاں، منقول ہوا)
(دہلی کے اردو اخبارات میں شائع شدہ رپورٹ کے مطابق، حضرت مولانا سید محمود اشرف، کچھوچھوی سجادہ نشین، آستانۂ اشرفیہ، سرکارِ کلاں، کچھوچھۂ مقدسہ نے اجمیر شریف کی ایک محفل میں سامعین و حاضرین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:
"مسلمانوں کو اور ملک کو سرکاری تصوف کی نہیں، بلکہ حضرت خواجہ غریب نواز کے تصوف اور تعلیمات کی ضرورت ہے۔
سرکاری صوفی کانفرنس (نئی دہلی) مین یہ کہنا کہ صوفیہ نے کسی کی تکفیر نہیں کی۔ یہ بیان، سراسر مہمل، جاہلانہ اور گمراہ کن ہے۔
مولوی طاہر القادری جیسے لوگوں کو چاہیے کہ تاریخ صوفیہ پر کوئی بیان دینے سے پہلے، تاریخ صوفیہ کا مطالعہ، آلۂ کار نہیں، بلکہ ایمان دار، بن کر کریں۔
خرید و فروخت کے اس پراگندہ دَور میں جہاں، مختلف قسم کی سیاسی ہائی جیکنگ کا سلسلہ، جاری ہے، وہاں تصوف اور صوفیاے حق کی زرّیں تاریخ کو بھی سیاسی آلۂ کاروں کے ذریعہ، ہائی جیک کر کے، بازارِ سیاست کا حصہ، بنانے کی کوشش، جاری ہے۔ لیکن ہم، تصوف اور صوفیہ کی عظمت و حرمت کو ہرگز، پامال نہیں ہونے دیں گے۔ اور اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے جابرانِ وقت کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہیں۔
ہم، ایسے کسی سرکاری تصوف کو، پروان نہیں چڑھنے دیں گے جو مسلم معاشرے میں زہر گھولنے کے لئے تیار کیا گیا ہو۔"
خلاصۂ بیان، مولانا سید محمود اشرف، کچھوچھوی۔ مطبوعہ روزنامہ "انقلاب" و "راشٹریہ سہارا" و "صحافت"، نئی دہلی۔ ۱۹؍اپریل ۲۰۱۶ء۔ ۱۱؍رجب ۱۴۳۷ھ)
ہمارے کچھ صوفی صاحبان، یہ باوَر کیے بیٹھے ہیں کہ:
"صوفی، ہم ہی ہیں اور تصوف، ہمارا میدان ہے۔
مولانا احمد رضا بریلوی!
ایک عالم اور مفتی ہیں۔ مگر صوفی نہیں۔ اور تصوف سے، ان کا کیا لینا دینا؟"
صوفی ہونے کا، معیار کیا ہے؟ اور تصوف کسے کہتے ہیں؟
اس پہلو پر، یہ حضرات، اگر متانت و بصیرت سے کے ساتھ، غور فرمائیں تو حقیقتِ حال

اچھی طرح، واضح ہو جائے گی۔ اور اس کے لئے کتب و رسائلِ اکابر صوفیہ و مشائخِ کرام کا **مطالعہ کرنے کی، انھیں فرصت، نکالنی ہوگی۔ اور اصل تصوف کو، انھیں سمجھنا ہوگا۔**

امام احمد رضا کی پوری زندگی، تصوف ہی تصوف ہے۔ اتباعِ سنّت و شریعت کا نام، تصوف ہے۔ اور اس تصوف سے امام احمد رضا کی حیات کا گوشہ گوشہ، روشن و منور ہے۔

اور، **بِحَمْدِہٖ تعالیٰ، آپ، ''عملی صوفی'' ہیں۔ ''اِدّعائی صوفی'' نہیں۔**

ہمارے مہربان حضرات، اگر، فتاویٰ رضویہ، کا مطالعہ کر لیں تو، انھیں، تصوف کے بہت سے اَحکام و مسائل اور اَسرار و معارف کی تجلّیات ملیں گی اور انھیں، **یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ:**

اپنے وقت کے بعض مشہور صوفیہ و مشائخِ کرام نے بعض حقائق و معارف کی گتھیاں، سلجھانے کے لئے آپ کی طرف، رُجوع کیا ہے۔ اور آپ نے پوری تحقیق اور شرح و بَسط کے ساتھ، اِس طرح، اپنے علمِ تصوف کا دریا، بہایا ہے کہ ان کا، اور بعد کے علمی و عملی صوفیہ کی تسلی و تشفی کا پورا سامان، بہم پہنچا دیا ہے۔ یہ، وہ، نعمت و دولت و صلاحیت ہے جو، **خاص عطیۂ ربّانی ہے۔**

کچھ اور، نہ سہی، اگر، برادرِ مکرّم، مولانا محمد احمد اعظمی، مصباحی (سابق صدرُ المدرسین و موجودہ ناظمِ تعلیمات، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ۔ اتر پردیش، انڈیا) کی گراں قدر علمی و تحقیقی کتاب **''امام احمد رضا اور تصوف''** کا ہی، ایسے حضرات، مطالعہ فرما لیں، تو:

نہ صرف، یہ کہ، ان کی غلط فہمی، دور ہو جائے گی، بلکہ، بہت سے **اسرار و معارفِ تصوف** و احکام و مسائلِ تصوف سے آگاہی کے ساتھ، **ان پر، یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ:**

امام احمد رضا، علمِ تصوف کے کتنے بڑے شناوَر و رواداشناس اور کتنے عظیم صوفی ہیں۔

کچھ صوفی صاحبان کو، یہ شکوہ ہے کہ:

مولانا احمد رضا بریلوی نے کبھی، اجمیر شریف کی حاضری، نہیں دی۔

ایسے حضرات سے، بصد احترام، اِلتماس ہے کہ، وہ:

''بارگاہِ خواجۂ ہند میں امام احمد رضا کی حاضری'' مولفہ یٰسین اختر مصباحی کا ضرور مطالعہ فرما لیں۔ اس میں بھی، اِنْ شَاءَ اللہ، بہت کچھ، مل جائے گا۔

۸۸۔۱۹۸۷ء کی بات ہے کہ اَوَدھ (لکھنؤ اور اس کے آس پاس کے اضلاع) کی ایک عظیم و قدیم، چشتی نظامی خانقاہ کے ایک صاحبِ علم و شعور فَرد، جو، جامعہ مِلّیہ اسلامیہ، نئی دہلی میں، پروفیسر تھے۔ ذاکر نگر، نئی دہلی میں، گاہے گاہے، ان سے ملاقات و گفتگو، ہو جایا کرتی تھی۔

انھوں نے ایک روز، مجھ سے فرمایا کہ:

بھئی، مصباحی صاحب! آپ کے، مولانا احمد رضا، بریلوی صاحب، عالم و مفتی، ضرور تھے مگر، صوفی کہاں تھے؟

اسی گفتگو کے اگلے حصے میں، انھوں نے فرمایا کہ:

صوفی تو، خواجہ حسن نظامی تھے۔

اُس وقت مجھے جو مناسب جواب دینا تھا، وہ، دیا۔

یہ گفتگو، ہفت روزہ ''ہجوم'' ذاکر نگر، نئی دہلی کے آفس میں ہوئی۔ جہاں، میرا بھی اُٹھنا بیٹھنا، ہوا کرتا تھا۔ اور، یہ آفس، میری رہائش گاہ سے، چند قدم کے فاصلے پر تھا۔

جاوید حبیب صاحب (سابق صدر: اسٹوڈنٹس یونین۔ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) **اِس ہجوم کے قائد، یعنی مدیر اعلیٰ تھے۔**

میری خاموش طبعی، بلکہ، خاموش حکمتِ علمی اور ذہن سازی و ماحول سازی کا اثر، یہ ہوا کہ:

ایک روز، وہ، مجھ سے کہنے لگے کہ:

اگر، آپ، مضامین، مہیّا کر دیں تو مولانا احمد رضا، بریلوی پر:

مَیں، اپنے ہجوم کا، ایک نمبر، نکال دوں۔''

مَیں نے کہا کہ: ٹھیک ہے۔ مَیں، یہ کام کر دیتا ہوں۔''

چنانچہ، میرے ہی تجویز کردہ نام سے، انھوں نے دسمبر ۱۹۸۸ء میں، اپنے ہفت روزہ ''ہجوم'' کا **''امام احمد رضا نمبر''** نکالا جس میں، مَیں نے خواجہ حسن نظامی، دہلوی (متوفی ۱۹۵۴ء) کے، **یہ تحریری تأثرات، شامل کر دیے تھے:**

''بریلی کے مولانا احمد رضا خاں صاحب، جن کو، اُن کے مُعتَقِد ''مجدّدِ مِاَۃِ حاضرہ'' کہتے ہیں، درحقیقت، طبقۂ صوفیۂ کرام میں، بہ اعتبارِ علمی حیثیت کے، **منصبِ مجدّد کے مستحق ہیں۔**

.......مولانا احمد رضا خاں صاحب، جو، کہتے ہیں، وہی کرتے ہیں۔

اور، یہ ایک، ایسی خصلت ہے، جس کی، ہم سب کو، پَیروی کرنی چاہیے۔

......جماعتِ صوفیہ، علمی حیثیت سے مولانا کو، اپنا بہادر، صف شکن سمجھتی ہے۔

اور، انصاف، یہ ہے کہ، بالکل، جائز سمجھتی ہے۔'' اِلیٰ آخِرِہٖ۔

(ہفت روزہ ''خطیب'' دہلی۔ جلد ۱۔ شمارہ ۱۱۔ ۲۲؍ مارچ ۱۹۱۵ء)

خواجہ حسن نظامی، دہلوی (متوفی ۱۹۵۴ء) کے، یہ تأثرات، پڑھنے کے بعد،
پروفیسر صاحب، ایسے خاموش ہوئے کہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگئے۔

آج، جنھیں، اِس حد تک، زَعمِ سیادت ہے کہ:

''میں، آلِ رسول ہوں۔ خان پٹھان، کیا جانوں؟؟''

وہ نہیں جانتے تو، اب سے، جان لیں کہ:

جاننے والوں نے، اِس ''خان پٹھان'' کو کیا اور کتنا جانا ہے؟

حضرت سید شاہ امین احمد فردوسی، سجادہ نشین خانقاہِ معظّم، بہار شریف (وصال ۱۳۲۱ھ/ ۱۹۰۲ء) مدرسہ اہلِ سنّت، پٹنہ، صوبہ بہار کے سرپرست تھے۔ اسی مدرسہ اہلِ سنّت، پٹنہ کے اِہتمام و اِنصرام میں، رجب ۱۳۱۸ھ/نومبر ۱۹۰۰ء میں، ایک عظیم الشان کانفرنس، پٹنہ میں ہوئی۔

جس میں، متحدہ ہندوستان کے اکابر عُلما و مشائخ و صوفیۂ کرام، بڑی تعداد میں شریک تھے۔ مثلاً:

مارہرہ شریف سے حضرت سید شاہ اسمٰعیل حَسَن، قادری برکاتی و حضرت سید شاہ فقیر عالم، قادری برکاتی، دائرۂ شاہ اجمل، الہ آباد سے حضرت مولانا سید شاہ اجمل، الہ آبادی، و حضرت مولانا سید محمد فاخر الہ آبادی، و حضرت مولانا سید بشیر احمد اجملی، الہ آبادی۔ بدایوں سے حضرت مولانا عبدالقادر، عثمانی، بدایونی و حضرت مولانا عبدالقیوم عثمانی، بدایونی و حضرت مولانا عبدالمقتدر، عثمانی، بدایونی، رام پور سے حضرت مولانا اعجاز حسین، رام پوری و حضرت مولانا عبدالغفار، رام پوری و حضرت مولانا ظہورُ الحسین، فاروقی، رام پوری۔

نیز، حضرت مولانا وصی احمد، محدّث سورتی و حضرت مولانا ہدایت اللہ، جون پوری و حضرت مولانا عبدالسلام، جبل پوری و حضرت مولانا سید شاہ عبدالصّمد، چشتی، سَہسوانی و حضرت مولانا سید امیر احمد، بریلوی و حضرت مولانا سید محمد اعظم، شاہجہاں پوری و حضرت مولانا حکیم مومن سجاد، کان پوری و حضرت مولانا خلیل الرحمٰن، خلیفۂ حضرت شاہ فضلِ رحمان، گنج مرادآبادی۔

وَغَیرُھُم، رِضوَانُ اللہِ تَعَالیٰ عَلَیھِم اَجمَعِین۔

اور مشاہیر عُلما و مشائخ صوبہ بہار میں سے چند حضرات کے اَسمائے گرامی، درج ذیل ہیں:

حضرت شاہ محی الدین، خلیفۂ حضرت شاہ بدرُ الدین، خانقاہِ پُھلواری شریف و حضرت مولانا سید سلیمان اشرف، بہاری و حضرت مولانا محمد سعید، بہار شریف و حضرت سید شاہ عزیزُ الدین اَبوالعُلائی، سجادہ نشین، حضرت منعم پاک، پٹنہ و حضرت سید شاہ شہودُ الحق اصدقی و حضرت سید شاہ

عبدالقادر، خانقاہِ اسلام پور، و سید شاہ وحید الحق و سید شاہ غلام شرف الدین و سید فضلِ حسین فردوسی۔

وَغَیرُھُم، رِضوَانُ اللہِ تَعَالیٰ عَلَیھِم اَجمَعِین۔

''خان پٹھان'' کا جلوہ، ذرا دیکھیے کہ:

''حضرت سید اسمٰعیل حَسَن میاں (مارہروی) صاحب کا، بیان ہے کہ:

۱۳۱۸ھ میں ندوہ کا جلسہ، پٹنہ میں ہوا تھا۔ جناب، قاضی عبدالوحید (فردوسی) صاحب رَحمَۃُ اللہِ عَلَیہِ، رئیسِ اعظم محلّہ لودی کٹرہ (پٹنہ) نے مصلحین ندوہ اہلِ سنّت و جماعت کا جلسہ بھی، وہیں، منعقد کیا تھا۔ اس میں، اکثر و بیشتر عُلمائے اہلِ سنّت و جماعت، تشریف فرما تھے۔

جب، مولانا احمد رضا خاں صاحب (بریلوی) کا بیان، شروع ہوا، شب کا وقت تھا۔

مَیں، اور (تاجُ الفحول) مولانا عبدالقادر (بدایونی) صاحب، جلسے میں، نہ تھے، قیام گاہ پر تھے۔

مَیں، سونے کو، لیٹ گیا تھا۔

حضرت مولانا عبدالقادر (بدایونی) صاحب نے مجھے، جگا کر، فرمایا کہ:

میاں! مولانا احمد رضا خاں صاحب کا بیان ہو رہا ہے اور سنا ہے کہ ندویوں کے سرغنہ بھی آئے ہوئے ہیں۔

اِس وقت، ''ہمارے پٹھان'' کے وَار، دیکھنے کے قابل ہیں۔ چلیے۔

ہم سب بھی، جلسے میں، جا پہنچے۔ بہت، زور کا بیان، مولانا (بریلوی) فرما رہے تھے۔'' الخ۔

(ص ۱۷۳۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت، مکمل۔ مؤلَّفہ مولانا محمد ظفر الدین احمد، قادری رضوی عظیم آبادی۔ مطبوعہ مکتبہ نبویہ۔ گنج بخش روڈ۔ لاہور)

اسی تاریخی کانفرنس (۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء۔ پٹنہ) میں، اپنے خطاب کے دَوران، حضرت مولانا عبدالمقتدر، عثمانی، بدایونی، خَلَفِ اکبر، محبِّ رسول، تاجُ الفحول، حضرت مولانا عبدالقادر، عثمانی، بدایونی نے، اِس **''خان پٹھان''** کو **''مجدِّدِ مِاۃِ حاضِرہ''** کہا۔

اور متحدہ ہندوستان کے سیکڑوں مشاہیر عُلما و مشائخ و صوفیہ، نیز لاکھوں مسلمانانِ اہلِ سنّت نے شرحِ صدر کے ساتھ، اِس ''خان پٹھان'' کی مجدّدیت کو تسلیم کرتے ہوئے، مستقل طور پر:

اِس ''خان پٹھان'' کو، مجدّد کہنا اور لکھنا، شروع کر دیا۔

اِعتبار و اِستناد کا، یہ عالم تھا کہ:

حضرت سید شاہ اسمٰعیل حَسَن میاں، قادری، برکاتی، مارہروی سے نورُ العارفین، حضرت سید

شاہ ابوالحسین احمد، نوری میاں، مارہروی نے ایک بار، ارشادفرمایا کہ:

جوشخص، مولانا عبدالقادر، بدایونی اور مولانا احمد رضا صاحب بریلوی سے محبت رکھے، اُسے دیندار جانو۔

اور جوشخص، ان دونوں سے بُغض رکھے، اُسے سمجھ لو کہ:

بدمذہب ہے۔یا۔کسی بدمذہب کے پھیر میں پھنسا ہوا ہے۔.....

اورفرماتے تھے کہ: بیٹا!

ہمارا، اَب یہی دستورُ العَمل ہے۔(اورفقیر کا بھی یہی دستورُ العَمل رہا) کہ:

جومسئلہ، مولانا احمد رضاخاں صاحب نے بیان فرمادیا، اُس پر، دل، فوراً مطمئن ہوگیا۔

اور، ان کی تحقیق اور غور وتدبُّر کے کثیر درکثیر مشاہدات وواقعات نے، یہ حالت کردی تھی کہ:

جومسئلہ، دریافت کرتا، اس کی نسبت، لکھ دیتا کہ:

مسئلہ کاحکم، لکھ دیجیے۔دلیل کی ضرورت نہیں۔''

(ص۱۰۴۔حیاتِ اعلیٰ حضرت، مکمل۔مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور)

تاجُ العُلما وَ العُرَ فا، حضرت مولانا سید شاہ **اولادِ رسول، محمد میاں**، قادری برکاتی مارہروی، آپ کے بارے میں، تحریرفرماتے ہیں کہ:

''ان کی تقریرات وتحریرات سے **فقیر کو، بہت کثیر فوائد، دینی وعلمی، حاصل ہوئے۔**

اور چوں کہ تقریر وتحریر میں، ان کا طریقہ، بے لوث اور مؤاخذاتِ صوری ومعنوی، شرعی وعُرفی سے منزَّہ اور مُبرَّا، ثابت ہوا،

لہٰذا، فقیر بھی، تابہ وُسعت، ان کے طریقے کا اتباع کرنا، پسند کرتا ہے۔''

(ص۵۳۔خاندانِ برکات، مطبوعہ لکھنؤ)

اور، اپنے **''چشم وچراغ خاندانِ برکات''** کو، برکاتی سائبانِ رحمت وظِلِّ عاطفت کی مستحکم ضمانت، اورحوصلہ افزا، وروح پروربشارت، دیتے ہوئے ارشادفرماتے ہیں:

شمعِ بزمِ اَولیا، احمد رضا — نورِ چشمِ اَتقیا، احمد رضا
دینِ احمد کا مجدِّد بالیقین — سچّا عبد المصطفیٰ، احمد رضا
صدرِ بزمِ عالمانِ دینِ حق — کاملوں کا پیشوا، احمد رضا
غرقِ بحرِ شرع، از سرتا بہ پا — حُبِّ احمد میں فنا، احمد رضا

تیری اُلفت، میرے مُرشد نے مجھے — دی ہے گُھٹی میں پلا، احمد رضا
مجھ پہ، بے حد تھا، ترا لطف وکرم — ہے بھی، اور ہو بھی سدا، احمد رضا
لاکھ حاسد، کچھ بکیں، لیکن فقیر
تیرا، تیرا ہے، ترا، احمد رضا

ماضی قریب کے، حضرت سید العلما، مارہروی وحضرت احسنُ العلما، مارہروی **عَلَیْہِمَا الرَّحْمَۃُ وَالرِّضْوَان** کے خطاب کے دَوران **''میرے اعلیٰ حضرت، میرے اعلیٰ حضرت''** کی دل نشیں اور روح پرور آواز، اور اس کی تکرار، ابھی تک، ہزاروں عُلما وعوامِ اہلِ سنَّت کے کانوں میں، رَس، گھول رہی ہے۔

اورحضرت سید آلِ رسول حسنین میاں، نظمی، مارہروی کا، یہ خراجِ تحسین، کتنا عظیم ''تحفۂ سیادت'' ہے کہ:

''خان زادہ'' سیدوں کا، اعلیٰ حضرت ہوگیا

حضرت سید محمد امین میاں، قادری برکاتی، مارہروی اور حضرت سید نجیب حیدر میاں، قادری برکاتی بھی ''اپنے اعلیٰ حضرت'' کا، گن گان کرتے، اور بریلی کے **''اپنے پٹھان''** کا لوہا منواتے رہتے ہیں۔

اورحضرت سید محمد اشرف، قادری برکاتی، مارہروی، ارشادفرماتے ہیں:

مَنارِ قصرِ رضا تو بلند، کافی ہے
تم، اس کے ایک ہی زینے پہ، چڑھ کے، دِکھلا دو
''فتاویٰ رضویہ'' تو اِک کرامت ہے
ذرا ''حدائقِ بخشش'' ہی، پڑھ کے، دِکھلا دو

ناگ پور (مہاراشٹر) میں، شوال ۱۳۷۹ھ کو، امام احمد رضا کا جشنِ ولادت منایا گیا، جس میں صدارتی خطبہ، دیتے ہوئے، محدِّثِ اعظم، حضرت مولانا سید محمد، محدِّث اشرفی، کچھوچھوی **عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ**، علمِ فقہ وافتا میں، اپنے استاذ ومُربی اور اپنے مُرشدِ اجازت وخلافت، امام اہلِ سنَّت، مجدِّدِ دین ومِلَّت کو **''قُطبُ الارشاد''** اور **''اعلیٰ حضرت ''عَلَی الاِطلاق''** فرماتے ہوئے آپ کے علمی وفقہی تبحر واستحضار اور جامعیت وکمال کو، اس طرح، خراجِ تحسین، پیش فرماتے ہیں:

''ہم، اور آپ، قرآنِ حکیم کا سہارا لے کر، اُس مہینے کی یادگار منانے کے لئے، یک جا ہوئے ہیں، جس مہینے میں، اللہ تعالیٰ کا ایک مقبول بندہ، اور رسولِ پاک کا سچانائب، علم کا جَبلِ شامخ، اور

عملِ صالح کا اُسوۂ حسنہ، معقولات میں بحرِ زخّار، منقولات میں دریائے ناپیدا کنار،
اہلِ سنّت کا امامِ واجبُ الاحترام، اوراس صدی کا باجماعِ عرب وعجم ''مجدّ د''
تصدیقِ حق میں، صدیقِ اکبر کا پرتو، باطل کو چھانٹنے میں، فاروقِ اعظم کا مظہر،
رحم وکرم میں، ذوالنّورین کی تصویر، باطل شکنی میں، حیدری شمشیر۔
دولتِ فقہ وروایت میں امیرُ المومنین۔ اور:
سلطنتِ قرآن وسنّت کا مسلّم الثبوت وزیر المجتہدین۔
''اعلیٰ حضرت'' علیٰ الاطلاق، امامِ اہلِ سنّت فی الآفاق، مجدّدِ مِأۃِ حاضرہ، مؤیّدِ ملّتِ طاہرہ۔
اَعْلَمُ الْعُلَمَاء عِنْدَ الْعُلَمَاء وَ قُطْبُ الْاِرشاد عَلیٰ لِسَانِ الْاَوْلیاء ۔
مَولانا وَ فِی جَمیعِ الْکمالاتِ اَوْلَانا، فانِی فِی اللہ وَ الْبَاقی بِاللہ۔
عاشقِ کاملِ رسول اللہ، مولانا شاہ احمد رضا، رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ ۔
وَرَضِیَ اللہُ تَعالیٰ عَنْہُ وَاَرْضَاہُ عَنَّا۔ اِلیٰ آخِرِہٖ۔
......عادتِ کریمہ تھی کہ: استفتا، ایک ایک مفتی کو تقسیم، فرمادیتے۔
اور پھر، ہم لوگ، دن بھر، محنت کر کے، جوابات، مرتّب کرتے۔
پھر، عصر ومغرب کے درمیان، مختصر ساعت میں، ہر ایک سے:
پہلے، اِستفتا، پھر فتویٰ، سماعت فرماتے۔ اور بیک وقت، سب کی سنتے۔
اسی وقت، مصنفین، اپنی تصنیفیں دکھاتے، زبانی سوال کرنے والوں کو بھی اجازت تھی کہ
جو، کہنا ہو، کہیں، اور جو، سنانا ہو، سنائیں۔
اتنی آواز میں، اِس قدر جُدا گانہ باتیں، اور صرف، ایک ذات کو، سب کی طرف، توجہ فرمانا۔
جواب کی تصحیح وتصدیق، مصنفین کی تائید اور تصحیح الفاظ، زبانی سوالات کے جوابات، عطا
ہو رہے ہیں۔
اور فلسفیوں کے اِس خبط کی کہ: ''لَا یَصْدُرُ عَنْ وَاحِدٍ اِلَّا الْوَاحِد''
کی دھجیاں، اُڑ رہی ہیں۔
......یہ چیز، ہر روز، پیش آتی تھی کہ:
تکمیلِ جواب کے لئے جُزئیاتِ فقہ کی تلاش میں جو، لوگ، تھک جاتے تو عرض کرتے۔
اُسی وقت، فرمادیتے کہ رَدُّ الْمُحتار، جلد فلاں کے صفحہ فلاں پر، اِن الفاظ کے ساتھ،

یہ جُزئیہ، موجود ہے۔ دُرِّ مُختار کے، فلاں صفحہ، فلاں سطر میں، یہ عبارت، موجود ہے۔
عالم گیری میں بقیدِ جلد وصفحہ وسطر، یہ الفاظ، موجود ہیں۔ (یہ سب) ارشاد فرمادیتے۔
اب، جو، کتابوں میں، جا کر دیکھتے تو، صفحہ وسطر،
وہی پاتے، جو زبانی، اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمادیا تھا۔''
(خطبۂ صدارت۔ یومِ رضا۔ ناگ پور، مہاراشٹر ۱۳۷۹ھ۔ مطبوعہ ماہنامہ تجلیات،
ناگ پور۔ ۱۹۶۶ء)
حضرت محدّثِ اعظمِ ہند ودیگر افرادِ خانوادۂ اشرفیہ، کچھوچھہ مقدسہ کی، یہ روایتِ متواترہ ہے کہ:
شیخ المشائخ، حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی، کچھوچھوی، وضو فرما رہے تھے۔
اسی دَوران، آپ پر، رِقّت اور گریہ کی کیفیت، طاری ہوئی۔ اور ارشاد فرمایا:
''مَیں، فرشتوں کے کاندھے پر ''قطبُ الارشاد'' کا جنازہ، دیکھ رہا ہوں۔''
بریلی شریف میں، امام احمد رضا کا وصال ہوا، کچھوچھہ شریف میں آپ، دیکھ رہے ہیں کہ
فرشتوں کے کاندھے پر، قطبُ الارشاد، کا جنازہ ہے۔
اور اُس وقت تک، آپ کے وصال کی خبر، کچھوچھہ شریف، پہنچی بھی نہیں تھی۔
یہ ''خان پٹھان'' کا رتبۂ بلند ہے۔ جو:
ابوحنیفۂ ہندوستان الھند بھی ہے۔ اور مجدّدِ اسلام وقطبُ الارشاد بھی۔
عاشقِ رسول بھی ہے، اور نائبِ غوثُ الوریٰ بھی۔
جس کی شہادت، وہ، عُلما وصُلحا ومشائخ وصوفیہ، دے رہے ہیں۔
جو، آلِ رسول بھی ہیں اور ساداتِ ذوِی الاحترام بھی ہیں۔
نصیبے کی، یہ وہ، اَرجمندی اور کوکبۂ اقبال کی وہ، رفعت وسر بلندی ہے کہ:
یہ رتبۂ بلند، مِلا، جس کو مِل گیا
محافظِ کتبِ حرمِ محترم، حضرت سید اسمٰعیل بن سید خلیل، اپنے ایک مکتوب (محرَّرہ رجب
۱۳۲۴ھ) میں، تحریر فرماتے ہیں:
........وَ سَیِّدِی الشَّیخ صالح کمال،
مَامِنْ مَجلسٍ، اِلَّا وَ یَذْکُرُ کَمالاتکم ۔
بِحَمْدِ اللہ! آپ نے اَرضِ حرم میں، دو عظیم الشان ستون، قائم کردیے ہیں:

(۱) اَلدَّولَۃُ الْمَکِّیَّۃ بِالْمَادَّۃِ الْغَیْبِیَّۃ۔

(۲) کِفلُ الْفَقِیْہِ الْفاھِم فِی اَحْکَامِ قِرْطَاسِ الدَّرَاھِم۔

اللہ نے چاہا تو آپ کا چرچا، عام ہوگا۔

ہموار و ناہموار زمین کے باشندے، اور دور و نزدیک کے سارے مسلمان، آپ کے فضل و کمال سے، آگاہی پائیں گے۔

کیوں کہ: ہمارا شہر (مکہ مکرّمہ) تمام شہروں کے لئے، ماں (اصل) ہے۔

اور ماں، اولاد کی طرح (ناقدرشناس) نہیں ہوتی۔

والدِ محترم، سید خلیل آفندی، میرے بھائی، مصطفیٰ خلیل اور مولانا شیخ عبد الحق و شیخ صالح کمال و شیخ اسعد دَھّان، ان کے بھائی، شیخ عبد الرحمٰن دَھّان اور سید محمد مرزوقی و شیخ بکر رفیع۔

یہ سبھی حضرات، آپ کی خدمت میں سلام، عرض کرتے ہیں۔

اور، آپ سے، دعا کے طالب ہیں۔ وَدُمْتُمْ وَالسَّلَام۔ ۱۲؍رجب ۱۳۲۴ھ)

(اَلْاِجَازَاتُ الْمَتِیْنَۃ لِعُلَمَاءِ بَکَّۃ وَ الْمَدِیْنَۃ۔ مطبوعہ بریلی ولاہور)

یہ، وہ، دیدزیب ''طُغرے'' ہیں، جن سے فضیلت و عظمتِ احمد رضا کی کرنیں، پھوٹ رہی ہیں۔ اور یہ، وہ ''آئینے'' ہیں، جن میں، آج کے ساداتِ وصوفیۂ کرام، اپنے مقدس چہروں کے نقش و نگار، بخوبی، دیکھ سکتے ہیں۔ اور اپنے اَجداد واَسلافِ کرام کی رضا وخوشنودی، حاصل کرنے کے لئے، حسبِ توفیق، اپنی بہت کچھ اِصلاح بھی، فرما سکتے ہیں۔

جسے ''احمد رضا'' کا رتبۂ بلند، آپ کا منصبِ رفیع اور آپ کی فیض بخش وجلوہ بار زندگی کا شاندار مُرقَّع دیکھنا ہو، وہ، مندرجہ ذیل حقائق کو، پیشِ نظر، رکھے۔

اور بصیرت کے ساتھ، ان کے ہر پہلو پر، غائرانہ نظر ڈالتے ہوئے آپ کی دینی وعلمی وروحانی عظمت وفضیلت ورفعت کو، تہِ دل سے خراجِ تحسین، پیش کرے:

قلب و نظر کی زندگی، دَشت میں صبح کا سَماں
چشمۂ آفتاب سے، نور کی نَدّیاں، رَواں

مُتَّحِدہ ہندوستان کی اَعَاظم واَکابر شخصیات اور طبقۂ عُلما میں ابوحنیفۂ ہند، امامِ اہلِ سُنَّت، مولانا الشاہ محمد احمد رضا، حنفی، قادری برکاتی، بریلوی، اپنے علم ودانش، فکروفہم، تَبَحُّر و تَفَقُّہ،

بصیرت وفراست اور کمال وجامعیت، ہر لحاظ سے:

چودھویں صدی ہجری کے ممتاز و جلیلُ القدر عالمِ دین ومفسّرِ عظیم ومحدّثِ جلیل و مُتکلّمِ اسلام وفقیہ و مفتیِ اَنام وشیخ ومُرشِدِ تصوُّف وطریقت ومَدَّاحِ رسولِ مُکرَّم، اور عاشقِ رسولِ مُعَظَّم ہیں۔

صَلَّی اللّٰہُ تعَالیٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَسَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحابِہٖ وَحِزْبِہٖ وَعُلَمَاءِ اُمَّتِہٖ وَ مَشَائخِ مِلَّتِہٖ اَجْمَعِین۔

(۱) جن کا ترجمۂ قرآن (کَنْزُالْاِیْمَان فِی تَرْجَمَۃِ الْقُرْآن) اردو زبان کا سب سے جامع ومُستند ترجمہ ہونے کے ساتھ، ہندوپاک میں، سب سے زیادہ، شائع ہونے، اور ساری اردو دنیا میں، سب سے زیادہ، پڑھا جانے والا، مقبول ترین، ترجمۂ قرآن ہے۔

(۲) جن کی ہزاروں صفحات پر مشتمل، تحریرات وفتاویٰ میں، اَحادیثِ نبوی کی جلوہ سامانی، کتبِ حدیث کے حوالوں کی فراوانی، اور علمِ حدیث کے مختلف فنّی پہلوؤں پر تحقیقی مباحث ومعارف دیکھ کر، معاصر عُلما وفُقہا ومُحدِّثینِ کرام نے انہیں ''اَمِیْرُ الْمُؤمِنِین فِی الْحَدِیْث'' قرار، دیا۔

(۳) جن کا مجموعۂ فتاویٰ، معروف، بہ ''فتاویٰ رضویہ'' (اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الْفَتَاوٰی الرَّضَوِیَّۃ) چودھویں صدی ہجری کے ''ابوحنیفۂ ہند'' کا، بے مثال ''فتاویٰ ہندیہ'' اور، اردو زبان میں، فقہِ حنفی کا شاہکار ''فقہی انسائیکلوپیڈیا'' ہے۔

(۴) جنھوں نے اپنے سفرِ حج وزیارت ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء کے دَوران، کرنسی نوٹ کے پیدا شدہ مسئلہ پر، فَتْحُ الْقَدِیر کا ایک فقہی جزئیہ پیش کرکے، عُلما وفُقہائے حرمین شریفین کا تذبذب، دور کیا کہ:

اس کی حیثیت، رسید نہیں، بلکہ، مال کی ہے۔''

جس کے بعد، عالمِ اسلام کے سبھی عُلما وَفُقہا وَمفتیانِ کرام، کرنسی نوٹ کے مال ہونے پر، شَرحِ صَدر کے ساتھ، مطمئن اور متفق ہوگئے۔

(۵) جنھوں نے ۱۹۱۲ء میں، بمبئی وکلکتہ وغیرہ کے مسلم اہلِ دولت وثروت کو:

''مسلم بینک'' قائم کرنے کا تحریری مشورہ، دیا۔

جب کہ: مسلم معاشرہ، بلکہ مسلم اَصحابِ علم واَربابِ فکر اور اہلِ حرفت وصَنعت وتجارت کے ذہنوں میں،، بینک اور اس کے قیام کا، اُس وقت تک، کوئی تصوُّر بھی نہیں تھا۔

(۶) جنھوں نے جنگِ طرابلس (۱۹۱۱ء) وجنگِ بلقان (۱۹۱۲ء) وحادثۂ مسجد، مچھلی بازار، کان پور (۱۹۱۳ء) وتحریکِ خلافت (۱۹۱۹ء) وتحریکِ ترکِ موالات (۱۹۲۰ء) وتحریکِ ہجرت (۱۹۲۰ء)

کے دَوران، مسلمانانِ مُتَّحِدَہ ہند کی ہدایت و رہنمائی کے لئے شرعی اَحکام وحُدُود کی تفصیلات بتاتے ہوئے، ہرحال میں، اُنھیں شرعی اَحکام وحُدُود کی پابندی کی تلقین وتاکید پر مشتمل:
نہایت وقیع وَاہم اور فیصلہ کُن فتاویٰ، جاری کیے۔
اور مسلم لیڈروں کی بہت سی بے اُصولیوں اور بے اِعتدالیوں کی نشان دہی کرتے ہوئے مسلمانانِ مُتَّحِدَہ ہند کو، ان لیڈروں کے تجاوُز واِنحراف کے خطرناک نَتائج وعَواقب سے بَروقت، آگاہ، اور مُتنبّہ کیا۔

(۷) جن کی بصیرت ودیدہ وَری اور دوراندیشی کا روشن نمونہ، یہ ہے کہ:

آپ ہی کے حکم کے مطابق، آپ کے خلیفہ، حضرت مولانا سید سلیمان اشرف، بہاری ثُمَّ علی گڑھی (متوفی ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء۔ مدفون علی گڑھ) صدر یار جنگ، نواب، حبیب الرحمٰن خاں، شیروانی علی گڑھی (متوفی ۱۹۵۱ء) کی دعوت پر، ۱۹۰۲ء میں علی گڑھ کالج سے بحیثیتِ استاذِ دینیات، منسلک ہوئے اور پھر، سالہا سال تک، شعبۂ علومِ اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے صدر کی حیثیت سے، عالمانہ عظمت ووَقار اور سربلندی وسرفرازی کے ساتھ، یونیورسٹی کی دینی وعلمی فضا اور ماحول پر، چھائے رہے۔

اِسی طرح، آپ نے ایک مکتوب کے ذریعہ، اپنے تلمیذ وخلیفہ، حضرت مولانا محمد ظفر الدّین احمد، قادری رضوی، عظیم آبادی (متوفی ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) کو، مدرسہ شمسُ الھُدیٰ، پٹنہ (صوبہ بہار) کے بارے میں ہدایت فرمائی کہ: **"اور، اس کا ہاتھ میں رکھنا، ضرور ہے۔"**

چنانچہ، آپ کے دو تلامذہ، مولانا محمد ظفر الدّین احمد، قادری، رضوی، عظیم آبادی اور مولانا سید عبدالرَّشید، عظیم آبادی، مدرسہ، شمسُ الھُدیٰ، پٹنہ کے مدرس ہوئے۔

اور ایک مدت تک، مولانا محمد ظفر الدّین احمد، قادری رضوی، عظیم آبادی، **اس مدرسہ، شمسُ الھُدیٰ کے پرنسپل بھی، رہے۔**

(۸) جن کی نعتیہ شاعری (مشمولہ "حَدائقِ بخشش") نے، مُتَّحِدَہ ہندوستان (موجودہ ہندو پاک وبنگلہ دیش) کی سرحدوں کو، عُبور کرتے ہوئے مختلف ایشیائی ممالک کے ساتھ، یورپ وامریکہ وافریقہ وآسٹریلیا کی، نہ جانے کتنی اور کیسی کیسی مسلم آبادیوں کی فضاؤں کو اپنے رسولِ رحمت، مصطفیٰ جانِ رحمت (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کی نَوا سَنجی سے مَعْمُور کردیا۔

اور جذب وتاثیر وَرُجحانِ خَلق اور قبولِ عام کا، یہ عالَم ہے کہ:
اِس مَعْمُورۂ عالَم میں، اردو زبان کا کوئی منظوم سلام:

اگر، آج، سب سے زیادہ، پڑھا جا رہا ہے۔
کسی نغمۂ عشق کی گونج، بحروبر کی وُسعتوں میں، سب سے زیادہ، سنائی دے رہی ہے۔
کسی ترانۂ محبت کی لَے، عُشّاقِ رسول کے کانوں میں، سب سے زیادہ، رَس گھول رہی ہے۔
جس سے روح میں اِہتزاز اور قلب میں وِجدانی کیفیت، طاری ہوجاتی ہے۔
تو وہ، یہ دل کش ودل آویز سلامِ رحمت اور تحفۂ اِخلاص وعقیدت ہے:

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

(۹) جنھوں نے، مُتَّحِدَہ ہندوستان کے طُول وعَرض میں، اپنی کتب ورسائل، اپنے خُلفَا وتلامذہ، نیز معاصرِ عُلما ومشائخِ کرام کے اِشتراک وتعاون سے دعوت واصلاح وہدایت کا عظیم فریضہ، انجام دے کر، مسلمانانِ مُتَّحِدَہ ہند کے ایمان واسلام کی بنیادوں کو مضبوط ومستحکم، اور، **اُن کی فصیلوں کو، بلند وبالا کردیا۔**

(۱۰) جنھوں نے عِلمی وعَملی طور سے، محبت واطاعتِ نبوی وعشق واِتباعِ مصطفوی کے نقش ونگار کو، مزید، واضح وروشن کرکے، مسلمانانِ مُتَّحِدَہ ہند کے، ہر حلقے میں:
پیغامِ عشقِ رسالت اور پیروی سنّتِ رسول کریم (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کو، عام سے عام تر، کرتے ہوئے، ذاتِ مصطفوی (عَلیٰ صَاحِبِھَا الصَّلوٰۃُ وَالسَّلام) کے ساتھ، سعید وصالح مسلمانوں کی نسبتِ غلامی کو، قابلِ رَشک ہمواری واُستواری اور اِستحکام واِستقلال بخشا۔

(۱۱) جو، اپنی زبان وقلم کے ذریعہ، مسلمانانِ مُتَّحِدَہ ہند کے دلوں میں:
مشاہیرِ اسلام وَاَکابر واَسلافِ کرام کی شمعِ عقیدت واحترام کی لَو، تیز تر کر کے:
اِنعامِ خداوندی سے سرفراز نُفوسِ قُدسیہ کے نُقوشِ قدم پہ، تاحیات گامزن رہنے کا، **تاحیات، درس دیتے اور تلقین وتاکید فرماتے رہے۔**

(۱۲) جو، **سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ** (مارہرہ مطہَّرہ) **وسلسلۂ حقی** (دہلی) **وسلسلۂ عزیزی ولی اللّٰہی** (دہلی) اور **سلسلۂ فرنگی محل** (لکھنؤ) کی بے شمار دینی وعلمی وروحانی دولتوں، نعمتوں، **وراثتوں اور روایتوں کے حامل وامین ہیں۔**

جن کے بارے میں عارف باللہ، حضرت، میاں، شیر محمد، شرق پوری، نقشبندی، اور، امیرِ مِلّت، حضرت سید جماعت علی شاہ، محدّث علی پوری، سیالکوٹی، عَلَیْھِمَا الرَّحْمۃُ وَالرِّضْوان کو:

غوثِ اعظم، سیدنا عبدالقادر جیلانی، بغدادی، رَضِیَ اللّٰہُ تَعالیٰ عَنہُ نے:
عالَمِ خواب میں بشارت دی کہ:
''ہندوستان میں ''احمد رضا'' میرے، نائب ہیں۔''

(۱۴) جنہیں، مارہرہ مطہّرہ میں، خاتمُ الاَکابر، **سیدشاہ آلِ رسول، احمدی، قادری برکاتی، مارہروی نے، بوقتِ بیعت وارادت ہی، اِجازت وخلافت سے بھی، سرفراز فرمایا۔**

اوراسی مبارک موقع پر، اپنی زبانِ فیض ترجمان سے اِس خصوصی اِلتفات وعنایت کا اِظہار فرما کر، **آپ کو بارگاہِ الٰہی میں پیش کیا جانے والا بیش قیمت ''جنّتی برکاتی تحفہ'' بنادیا کہ:**
''اللہ تبارک وتعالیٰ، اگر، بروزِ قیامت، مجھ سے ارشاد فرمائے گا کہ:
آلِ رسول! میرے لئے کیالائے ہو؟ تومَیں، مولوی احمد رضا کو، پیش کردوں گا۔''

(۱۵) جن کی سَعادت وسرفرازی کے لئے مُرشدِ طریقت، حضرت خاتمُ الاَکابر، مارہروی کی بارگاہ سے **''چشم وچراغِ خاندانِ بَرکات''** کا خطاب، دیے جانے کا، بدستِ حضرت نورُ العارِفین، سیدشاہ ابوالحُسَین احمد، نوری، مارہروی، **''بَرکاتی وثیقہ''** صادر ہوا۔

(۱۶) جنھیں، محدِّثِ اعظمِ ہند، حضرت مولانا سید شاہ محمد محدّث اشرفی، کچھوچھوی (وصال ۱۳۸۱ھ) **عَلَیہِ الرَّحمَۃُ وَالرِّضوَان** نے فرمایا:
''اعلیٰ حضرت'' عَلیٰ الْاِطلاق، ''امامِ اہلِ سنّت'' فِی الآفاق،
مجدِّدِ دِمائَۃِ حاضِرہ، مُؤیِّدِ مِلّتِ طاہرہ۔

(۱۷) جن کے وصال کا ٹیلی گرام (تار) کچھوچھہ مقدسہ پہنچنے سے پہلے ہی:
شیخُ المشائخ، حضرت سیدعلی حسین اشرفی، کچھوچھوی (وصال ۱۳۵۶ھ) نے فرمایا:
مَیں، فرشتوں کے کاندھے پر''قطبُ الإرشاد'' کا، جنازہ، دیکھ رہا ہوں۔''

(۱۸) جنھوں نے، **اسلامی تصوُّف وطریقت اورمَعمولاتِ اہلِ سُنّت وجماعت کو،**
اپنی مدلّل ومُستند تحریرات وفتاویٰ اورقوتِ استدلال کے ذریعہ، مزید علمی اِستحکام سے،
مُزَیَّن ومُؤثّق ومُؤیَّد کرتے ہوئے، سَوادِ اعظم اہلِ سُنّت وجماعت کو:
مذہب ومسلک کا گہرا شُعور اورصحیح عرفان، عطافرمایا۔

(۱۹) جنھوں نے اپنے حق شِعار وحق نَواز وحق نِگار قلم کو، مسلسل، رَواں دَواں رکھتے ہوئے سَوادِ اعظم اہلِ سُنّت وجماعت کی ہمہ جہت رہنمائی کا گراں قدر اورقابلِ صدرَشک فریضہ انجام دیا۔

(۲۰) جن کے فولادی ہاتھوں نے تائید ونُصرتِ حق واہلِ حق کے ہرمَرحلہ میں باطل واہلِ باطل کے خوں آشام پنجے، مَروڑکر، انہیں، ہزیمت وپسپائی پر، مجبور کردیا۔

(۲۱) جن کے رُسوخِ عِلم وفَن اورکمالِ مَہارت وعَبقرِیّت پر، تقریباً، ایک ہزار وَقیع اورگراں قدر **کتب ورسائلِ رضویہ**، مُنہ بولتا ثبوت اورشاہدِ عدل ہیں۔

(۲۲) جو، پچپن (۵۵) علوم وفنون سے زائد، متاعِ علم ودانش اورسرمایۂ فکر وفہم کے ساتھ،
حدیثِ نبوی کے بَحرِ عمیق، ودَریائے تحقیق کی غوّاصی وجوہر شناسی:
اور، ذاتِ نبوی (عَلیٰ صَاحِبِھَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام) سے وابستگی وشیفتگی ووارفتگی میں:
عکسِ ''سِراجُ الْھِند'' (شاہ عبدالعزیز، محدّث دہلوی) و''شیخُ الْھِند'' (امامُ المُحدّثین، شیخ عبدالحق، محدّث دہلوی) ہونے کے ساتھ، اپنی حکمتِ بالِغہ میں ''غزالیِ ہند''
اپنی فِراست وبَصیرت وتفَقُّہ میں ''ابوحنیفۂ ہند''
اور، اپنی نعتیہ شاعری میں ''حَسَّانُ الْھِند'' ہیں۔

(۲۳) جو، اپنے فَضل وکمال، زُہد وتقویٰ اور اِتّباعِ سنّت وشریعت کے ہر باب میں مُمتاز وفائقُ الاَقرَان، **اورمَرجعِ عُلما وفُقہائے اسلام ہیں۔**

(۲۴) جن کا مسلکِ حق وصداقت اورسلسلۂ ذِکر وفکر، اپنے اَکابر واَسلافِ سَوادِ اعظم اہلِ سُنّت وجماعت کے، سایۂ رحمت میں، اُن کے نُقوشِ قدم کی اِقتدا واِتّباع کرتے ہوئے، اپنے عقائد واَفکار ومَعمولات میں، مکمل طور سے، ان کے ساتھ، مَربوط ومُنظّم اورہم آہنگ ہے۔

(۲۵) جن کی ذاتِ قُدسی صفات، ہرزاویۂ حیات وخدمات واَعمال میں:
اپنے اَکابرِ عُلما وفُقہا وصوفیہ ومشائخِ کرام کا **عکسِ جمیل ہے۔**

(۲۶) جن کی مثالی شخصیت، خصوصیت کے ساتھ، **اِمَامُ الْمُحَدِّثِین، بَرکَۃُ اللّٰہِ فِی الْھِند**، عاشقِ رسول، شیخ عبدالحق، حنفی، قادری، محدّثِ دہلوی کے رُسوخِ علم واِستقامتِ دین، وکمالِ حکمت وبصیرت، اورمجدّدِ الفِ ثانی، شیخ احمد، فاروقی، نقشبندی، سرہندی کی ہمت وجُرأتِ حق گوئی **وجذبۂ اِعْلاءِ کلمۂ حق کی، اپنے دَور میں پَرتَو ونمونۂ کامل، اور:**
تعظیم وتقدیسِ رسالت پناہی (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم) کی ایمان افروز مُہم **اورقافلۂ حق وصداقت کی، قائد وسالار**، ہے۔

(۲۷) جن کی حیات وخدمات کے مختلف گوشوں پر، ہندوپاک کے خالص مذہبی حلقوں کی

تحریرات ومضامین ومقالات اور رسائل وکتب کے علاوہ، ملک وبیرونِ ملک کی متعدد یونیورسٹیوں کے ریسرچ اسکالروں نے، اپنے مقالاتِ تحقیق (ایم۔فِل۔و۔پی۔ایچ۔ڈی) کی حوصلہ افزا قطار کا، ایک گراں قدر اور قابلِ افتخار سلسلہ، قائم کر رکھا ہے۔

چنانچہ، ہندو پاک کے علاوہ، جامعہ ازہر، قاہرہ، مصر سے کولمبیا یونیورسٹی، امریکہ تک، جو، مقالاتِ تحقیق لکھے اور یونیورسٹیوں کی طرف سے منظور کیے جا چکے ہیں، اُن میں:

پی ایچ ڈی کی تعداد، تقریباً، چالیس (۴۰) اور، ایم فِل کی تعداد، پندرہ (۱۵) کے لگ بھگ ہے۔

(۲۸) جن کے عظیمُ المرتبت خُلفا وتلامذہ نے متحدہ ہندوستان کے طُول وعَرض میں اپنے درس وتدریس، وعظ وخطابت، اِصلاح وہدایت، بیعت واِرشاد اور دعوت وتبلیغ کی برکت سے بے شمار مسلم آبادیوں کو، فیض یاب وسَیراب کیا۔

(۲۹) جن کے نام کی نسبت سے ہندو پاک و بنگلہ دیش کے طُول وعَرض میں سیکڑوں مدارسِ اہلِ سُنَّت ''**رضوی مدارس**'' کی حیثیت سے مصروفِ تعلیم وتعلُّم ہیں۔

(۳۰) جن کی وَقیع، دینی وعلمی خدمات اور تجدیدی کارناموں کی تائید وتحسین کرتے ہوئے عُلماے عرب وعجم نے، انہیں ''**چودھویں صدی ہجری کا مُجدِّد**'' قرار، دیا۔ **فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلیٰ ذٰلِکَ۔**

ابو حنیفۂ ہند، امام احمد رضا، حنفی، قادری برکاتی، بریلوی کے مَحاسن وکمالات اور مآثر وخدمات کا دائرہ، بے حد وسیع اور ہمہ گیر ہے۔

جن میں، آپ کی صَلابَت واستقامتِ دینی وعشقِ رسول واِتّباعِ سُنَّت وشریعت۔ اور تفقُّہ واِفتا کو، نمایاں مقام، حاصل ہے۔

اِسی طرح، رَدِّ فِرَق وَاَحزابِ باطِلہ میں بھی، آپ کی تحریری وقلمی خدمات، اپنی مثال، آپ ہیں۔

امام احمد رضا، حنفی، قادری برکاتی، بریلوی، قُدِّسَ سِرُّہٗ نے خود اپنے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے، اُسے ذیل میں پڑھ کر، آپ کی خصوصیات وصفات، اَظْهَرُ مِنَ الشَّمْس ہو جاتی ہیں۔

اپنی دینی وعلمی مجلس میں، امام احمد رضا، بریلوی، قُدِّسَ سِرُّہٗ نے ایک بار، ارشاد فرمایا کہ:

''بِحَمْدِ اللّٰه! اگر، میرے قلب کے، دو ٹکڑے کیے جائیں:

تو، خدا کی قسم! ایک پر لکھا ہوگا:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه۔ دوسرے پر، لکھا ہوگا: مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰه۔

(ص ۶۲۔ المَلفوظ، حصہ سوم۔ وص ۱۰۴۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت، حصہ اول۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی، بمبئی)

ہاں! یہ، وہی ''احمد رضا'' ہے جس کا قلب، کلمۂ اسلام کا گنجینہ اور عشقِ رسالت کا مدینہ۔ جس کا سینہ، علوم ومعارف کا خزینہ اور جس کا قلم، حق وہدایت کا سفینہ ہے۔

ہاں! یہ، وہی ''احمد رضا'' ہے جو، نسبتِ رسول کے ادب واحترام کا درس دیتا۔

اور، زندگی بھر، اس ادب واحترام کے نمونے، پیش، کرتا رہا۔

ہاں! یہ، وہی ''احمد رضا'' ہے جس نے طوفانوں کی زَد پر، تقدیسِ رسالت وتعظیمِ نبوت کی جو، تحریک اُٹھائی تھی، اُس نے عشق وعرفان کی ایسی موسلا دھار بارش برسائی جس سے:

کشورِ ہند ہی نہیں، بلکہ مختلف اَقصاے عالم تک کی سرزمین، جَل تَھل ہو گئی۔

عشق کی سرفرازی کا، یہ کتنا عظیم نمونہ ہے کہ:

ہندو پاک ہی نہیں، ساری دنیاے اردو کے گلی کوچے، یک زبان ہوکر، زَمزمہ خواں، بن گئے ہیں:

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

ہاں! یہ، وہی ''احمد رضا'' ہے جس کا اسمِ گرامی، اب، اہلِ سنَّت کا سکونِ قلب اور، راحتِ جاں، بن چکا ہے۔

اور، صبح وشام، اُن کی زبانیں، اس عاشقِ رسول کے ذکر سے شاد کام، ہو رہی ہیں۔

آفاق میں پھیلے گی، کب تک، نہ مہک تیری
گھر گھر لیے پھرتی ہے، پیغام، صَبا، تیرا

یٰسٓ اختر مصباحی، دارُ القلم، قادری مسجد روڈ، ذاکر نگر، جامعہ نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵
مؤرخہ: ۳۰؍رجب ۱۴۳۷ء
۱۱؍اپریل ۲۰۱۶ء۔ بروز دوشنبہ

استاذُ العلما، حضرت مولانا ابو البرکات، سید احمد قادری، شیخ الحدیث، مرکزی دار العلوم حزبُ الاحناف، لاہور (وصال ۱۳۹۸/۱۹۷۸ء) فرماتے ہیں:

''جب، اعلیٰ حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ کی عمر شریف، پچاس (۵۰) برس ہوگئی۔ تو آپ نے:

اپنی تمام تر توجہ، تصنیف وتالیف کی طرف، پھیر دی۔ اور فرمایا:

''ایک دَور، یعنی نصف صدی، گذر گئی۔ اب، ہمیں بھی اپنی عادت میں، تبدیلی کرنی چاہیے۔''

چوں کہ لوگ، تحریر سے زیادہ، استفادہ کرتے ہیں، اِس لئے اعلیٰ حضرت:

تقریر کی، بہ نسبت، تحریر کی طرف، زیادہ توجہ، فرمایا کرتے تھے۔''

(ص ۲۴۔ ''یادِ اعلیٰ حضرت''۔ مؤلَّفہ مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری۔ مطبوعہ: مکتبہ قادریہ۔ لاہور)

’’عرفانِ مذہب ومسلک‘‘ سے ’’تصوف وسیاست‘‘ تک

’’قوتِ مذہب‘‘ سے مستحکم ہے ’’قومیت‘‘ مِری

دریا کے تلاطم سے تو بچ سکتی ہے کشتی
کشتی میں تلاطم ہو، تو، ساحل ،نہ ملے گا

’’آل انڈیا عُلما ومشائخ بورڈ‘‘ کے نمائندۂ خصوصی کی زبانی، انٹرنیشنل صوفی کانفرنس وسیمینار ،نئ دہلی کی بعض تفصیلات، جان کر، میں نے اس میں اپنی شرکت سے صراحۃً اِنکار کیا۔ کیوں کہ:

دہلی کے طویل سیاسی وصحافتی تجربات ومشاہدات کی روشنی میں مجھے اس کے اندر، کوئی سیاسی کھیل، نظر آیا۔ مگر، اس کا کسی طرح، وہم وگمان بھی، نہیں ہوسکا کہ:

اِس کھیل کے پسِ پردہ، سنگھ پریوار (آر، ایس، ایس، بھاجپا، وغیرہ) کا کوئی ہاتھ ہوسکتا ہے۔

اور، اِس کا بھی، وہم وگمان، نہیں ہوسکا کہ:

شری، نریندرمودی، وزیر اعظم ہند کا، اِس سیمینار وکانفرنس سے کوئی خصوصی تعلق ہے۔

اِسی طرح، پروفیسر، طاہرالقادری، بانیِ ادارہ ’منہاج القرآن‘ لاہور کی شرکت کا بھی کوئی علم، نہ ہوسکا۔

یہی وجہ ہے کہ، اِس صوفی سیمینار وکانفرنس کے تعلق سے کچھ لکھنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

۸رفروری ۲۰۱۶ءکو،نئ دہلی کے تالکٹورہ اسٹیڈیم میں، ایک سُنّی کانفرنس ہوئی۔ اس سے ایک سال پیشتر، رام لیلا، میدان، نئ دہلی میں، یکم مارچ (۲۰۱۵ء) کو ’’نظامِ مصطفیٰ کانفرنس‘‘ ہوئی تھی۔

ان دونوں کانفرنسوں کے خلاف، میں نے کسی سے کچھ کہا، اور، نہ ہی ان کے خلاف، کچھ لکھا۔ کیوں کہ:

یہ دونوں کانفرنسیں، اہلِ سنّت کے مالی وسائل سے، اہلِ سنّت ہی کے ذریعہ، ہوئی تھیں۔

اور، کسی سیاسی آمیزش کے بغیر، بڑے اِہتمام وشان وشوکت کے ساتھ، ہوئیں۔

ماہنامہ ’’جامِ نور‘‘ نئ دہلی (شمارۂ فروری ۲۰۱۶ء) میں شائع شدہ، ایک انٹرویو کے ذریعہ، اس کا علم ہوا کہ، پروفیسر، طاہرالقادری، صوفی کانفرنس سے خصوصی خطاب فرمائیں گے۔

اس کے بعد، انگریزی کے مشہورِ زمانہ اخبار ’’ٹائمز آف انڈیا‘‘ (شمارہ ۲۷رفروری ۲۰۱۶ء) میں، شائع شدہ ایک انٹرویو سے معلوم ہوا کہ:

شری، نریندرمودی، صوفی سیمینار میں شریک ہوں گے اور اسے خطاب بھی فرمائیں گے۔‘‘

مذکورہ دونوں انٹرویو، عُلما ومشائخ بورڈ کے صدرِ محترم کے ہیں۔

اس انکشاف کے بعد، میں نے اپنا مذہبی ومِلّی وجماعتی فریضہ سمجھا کہ:

حقیقتِ حال سے قوم ومِلّت وجماعت کو، باخبر اور اس کے اثرات ونتائج اور بعض سنگین خطرات سے، اُنھیں، متنبّہ اور چوکنّا کردوں۔

خطرہ، جتنا بڑا ہو، اُس کی مزاحمت بھی اتنی ہی قوت وطاقت کے ساتھ کی جاتی ہے۔

چنانچہ، میں نے قلم اٹھایا اور میرا پہلا مضمون، مؤرخہ ۲رمارچ ۲۰۱۶ءکو منظرِ عام پر آیا۔ جس کا سلسلہ، زیرنظر تحریر تک، جاری رہا۔

بِحَمْدِہٖ تَعَالٰی، مجھے، اطمینانِ قلب ہے کہ، اپنا فرض، میں نے پورا کردیا۔

اور کب کس نے کیا سمجھا اور کیا نہیں سمجھا۔ اس کا تعلق محض قارئین سے ہے۔

جنھیں، کچھ سمجھنے، نہ سمجھنے کا مکمل اختیار ہے۔

نیتوں کا حال، اللّٰہ ہی جانتا ہے۔ اور، وہی، اس کی جزا وسزا، دے گا۔ **وَاللّٰہُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ وَکِیل۔**

عُلما ومشائخ بورڈ سے وابستہ افراد، سیمینار وکانفرنس کے منتظمین وشُرَکا، نیز دیگر وابستگان، ہرگز، اِس خوش فہمی، یا۔ غلط فہمی میں، مبتلا، نہ ہوں کہ:

میری سابقہ، یا۔ موجودہ تحریر، محض، ان کے خیالات اور سرگرمیوں کے پیشِ نظر، عالَمِ وجود میں آئی ہے۔ درحقیقت، اِس مناسبت سے میں نے کچھ حقائق پیش کرتے ہوئے ’’سنگھ پریوار‘‘ کے عزائم اور اُن کے خطرناک نتائج سے قوم کو آگاہ کیا ہے۔ اور یہ بتانے اور سمجھانے کوشش کی ہے کہ:

’’کوئی سیاسی پارٹی، محض ’’ثواب‘‘ حاصل کرنے کے لئے کروڑوں روپے، خرچ نہیں کرتی ہے، نہ کرے گی۔ نہ ایسا کبھی دیکھنے سننے میں آیا ہے۔

کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی تدبیر سے گھس پیٹھ کرنا، اثرانداز ہونا، ووٹ، حاصل کرنا،

اُس کا مطمحِ نظر، بلکہ، اول وآخر، مقصد ہوتا ہے۔

اگر، کوئی سادہ لوح وناتجربہ کار، یا فریب خوردہ شخص، ایسے حالات میں:

یہ سوچتا سمجھتا اور کہتا ہے کہ: پیسہ، اُس کا ہوگا۔ اور کام، ہمارا ہوگا۔‘‘

تو، یہ خیال، بالکل، ایسا ہی ہے کہ:

کوئی بکری، یہ سوچ کر، قدم، آگے بڑھائے کہ مَیں، بھیڑیا۔ یا۔ شیر کا شکار کرنے چلی ہوں۔‘‘

اِس ''بڑی بی'' پر، اللہ ہی، رحم فرمائے۔

اپنے حضرات سے جو کچھ، شکوہ ہے، وہ، یہ ہے کہ:

(۱) بھاجپا، یا۔ شری، نریندر مودی سے مِل کر (اور، واضح آثار وقرائن کے مطابق، ان کی ،یا۔ مشترکہ پلاننگ، پھر، اسپیشل فنڈنگ کے تحت) **یہ پروگرام، کیوں کیا گیا؟**

(۲) صوفی سیمینار، (وِگیان بھون، نئی دہلی) میں، جب ''بھارت ماتا کی جے'' کا نعرہ لگا تو مکمل خاموشی، کیوں بَرتی گئی؟ اور ابھی تک، اس سلسلے میں، اپنا شرعی موقف، کیوں نہیں، واضح کیا گیا؟

(۳) اپنے ''اِعلامیہ'' میں، یہ دفعہ، (جس پر ''ہندوتوا'' کے نظریۂ متحدہ قومیت (ہندو قومیت) کا، رَنگ چڑھا ہوا ہے) کیوں اور کس مقصد سے شامل کی گئی کہ: متحدہ قومیت کی تائید وتوثیق کی جاتی ہے؟

اس کا مفہوم، جان کر۔ یا۔ انجانے میں، **بہر دو صورت، اِس ''اِبہام'' کے ساتھ،**

قومیت کا کوئی ذکر ہی، کیوں اور کس مقصد سے کیا گیا؟

آر، ایس، ایس کی ''راشٹریتا''، ''قومیت''، ''نیشنلزم'' سب کچھ ''ہندتوا'' ہی ہے۔

یہی اس کی قومیت، متحدہ قومیت، ہندوستانی قومیت، سب کچھ ہے۔

آر، ایس، ایس، کے ''ہندوتوا'' کو، اس کی سیاسی پارٹی ''بھاجپا'' نے ۱۹۹۶ء میں اپنے انتخابی منشور میں بھی شامل کرلیا ہے۔

رہ گئی بات ''قومی دھارا'' (مین اسٹریم۔ رُجحانِ عام۔ اصل دھارا، ملکی رائے عامّہ) کی، تو:

صِرف، بھاجپا (بی، جے، پی۔ یعنی بھارتیہ جنتا پارٹی) نہیں، بلکہ، دیگر سیاسی پارٹیاں بھی، اس کا استعمال کرتی ہیں۔ اِس لئے ''قومی دھارا'' کو ''پناہ گاہ'' نہیں، بنایا جاسکتا ہے۔

اِس سلسلے میں، سماج وادی پارٹی کی برسرِ اِقتدار، حکومتِ اتر پردیش کے ایک تازہ ترین اِشتہار کا، یہ حصہ، ملاحظہ فرمائیں:

''حکومتِ اتر پردیش کی جانب سے اقلیتی طبقوں کے سماجی اور معاشی پس منظر کے تناظُر میں ،ان کے مخصوص مسائل کا تصفیہ کرنے ،اور ان کی تعلیمی ،سماجی اور معاشی ترقی کرکے ،انھیں ''قوم اور سماج کے اصل دھارے'' میں، لانے کے لئے، بہت سی اسکیمیں، چلائی جارہی ہیں۔'' الخ۔

(ص ۳۔ روزنامہ ''راشٹریہ سہارا''، نئی دہلی ایڈیشن، مؤرخہ ۳۰/اپریل ۲۰۱۶ء۔ سرکاری اِشتہار)

........تاکہ، ان روایتی تعلیمی اداروں (عربی مدارس) سے تعلیم، حاصل کرکے، اقلیتی طبقے کے بچے، ''قوم کے اصل دھارے'' سے وابستہ، ہوسکیں۔'' الخ۔ (ص ۳۔ روزنامہ ''راشٹریہ سہارا''،

نئی دہلی ایڈیشن، مؤرخہ ۳۰/اپریل ۲۰۱۶ء)

ساری سیاسی پارٹیوں کے نزدیک ''قومی دھارا'' کا مطلب، تعلیم وتجارت وترقی کا عام دھارا ہے۔ لیکن، بھاجپا، اِس قومی دھارا کا مطلب کچھ اور سمجھتی ہے، اِس لئے اس کے بیان پر اس کی نیت اور اس کی مراد، جاننا، ضروری ہے۔

تشویش واِضطراب کا اصل سبب، یہ ہے کہ:

صوفی کانفرنس وسیمینار کی سرگرمیوں کے نتیجے میں، مسلم دشمن ''فلسفۂ ہندتوا'' کی علَم بردار آر، ایس، ایس کی سیاسی پارٹی، بھاجپا (بھارتیہ جنتا پارٹی) کو، مسلم آبادیوں میں گھسنے اور اپنی سیاسی عمارت، تعمیر کرنے کا موقع، فراہم ہوسکتا ہے۔ اور اس کی راہ، آسان ہوسکتی ہے۔

مسلم آبادیوں کی طرف، بھاجپا کی سیاسی پیش قدمی سے مسلمانوں کو، آگاہ اور بیدار وہوشیار کرنا، اور بھاجپا کا شکار ہونے سے بچانے کی، اپنی حفاظتی تدابیر کا سامان کرنا، اصل مقصود ہے۔

امنڈتے ہوئے سیلاب اور طوفانی خطرات سے مسلمانوں کو، چوکنّا کرنا، ایک مذہبی، مِلّی ،قومی، جماعتی، معاشرتی، فریضہ ہے۔ **اور یہی فریضہ، اِس وقت، میں نے انجام دیا ہے۔**

اور آئندہ بھی، جب، کبھی، مَیں محسوس کروں گا کہ:

مسلمان، کسی آندھی طوفان کا شکار ہوسکتے ہیں۔ کوئی خطرہ، مسلم آبادی کی طرف بڑھ رہا ہے۔

تو، اپنا، یہ فرض، حتی الامکان، ضرور، ادا کروں گا۔ اِنْ شَاءَ اللّٰہ۔

اہلِ علم وفضل اور اصحابِ فِکر وشعور کا اِمتیاز واِختصاص ہے کہ:

وہ، کسی پیش آمدہ مسئلے میں، ذاتی رُجحانات اور مادّی مفادات ومصالح سے بے نیاز ہوکر ،مذہبی ومِلّی وجماعتی مفادات ومصالح کے، پیشِ نظر، اپنے علم وفکر وفہم کی روشنی میں:

کوئی صائب رائے اور صحیح موقف، اختیار کرکے، اُس کا اظہار کرتے ہیں۔

جب کہ سطحی فِکر، اور عامیانہ اندازِ فِکر کے حامل افراد، اپنے ذاتی ومادّی مفادات ومصالح کے تحت ہی، **کوئی رائے، قائم کرکے، اُسے ہی ترجیح دینے کو، اپنی کامیابی کا زینہ، تصور کرتے ہیں۔**

مناسب عقل وشعور سے بے بہرہ، اور تنگ نظر افراد کے لئے، یہ باور کرنا، **بڑا ہی مشکل مرحلہ ہوتا ہے کہ:**

کوئی شخص، اپنے ذاتی رُجحانات اور مادّی مفادات سے اوپر اُٹھ کر،

کیوں اور کس طرح کوئی رائے، قائم کرسکتا ہے؟ اور کوئی موقف، اختیار کرسکتا ہے؟

۱۹۹۵ء، ۱۹۹۶ء، میں، جب، نرسمہا راؤ کی کانگریس کے زمانے میں، مذہبی شخصیات اور مشائخ وسجادگان کو، سیاسی طور پر، اپنا ہم نوا، بنانے کے لئے، پیسے کی گنگا، بہ رہی تھی۔

اور آج ۲۰۱۶ء میں، جب، نریندر مودی کی بھاجپا، اسی طرح کی گنگا، بہا رہی ہے،

اوراس میں، نہ جانے کتنے لوگ، گلے گلے، ڈوبے ہوئے ہیں۔

بِفَضْلِهٖ تعالیٰ، ہر دو سنگین مواقع پر، مَیں، محفوظ و مامون رہا۔

۱۹۹۵ء میں، رام لیلا میدان، نئی دہلی کی ''سنّی کانفرنس'' کے اِنعقاد سے کئی ہفتہ پہلے، اپنے ایک غیر ملکی دَورے کی وجہ سے، ہندوستان سے باہر، رہا۔

اور واپسی، اُس وقت ہوئی جب کہ، یہ کانفرنس، ختم ہو چکی تھی۔

ایسی صورت میں، اس سے متعلق، کسی تعاون، کسی شرکت اور کسی تائید واختلاف کا سوال ہی، خارج از بحث ہے۔

انٹرنیشنل صوفی سیمینار و کانفرنس (۱۷؍مارچ تا ۲۰؍مارچ ۲۰۱۶ء) کے عزائم، بھانپ کر، میں نے، اس میں شرکت سے انکار کیا۔ اور ہندوستان میں رہتے ہوئے بھی:

اِس انٹرنیشنل سیمینار و کانفرنس سے، کوسوں دور، رہا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

''**عرفانِ مذہب ومسلک**'' (متعدد ایڈیشن ۔ مطبوعہ ہند و پاک۔ اور ''**عرفانِ حقائق**'' مطبوعہ، دہلی۔ مشتمل بر، تین سو (۳۰۰) صفحات) کے جُملہ محتویات ومشتملات ومندرجات، برحق ہیں۔

بِحَمْدِهٖ تعالیٰ، حسبِ سابق:

اب بھی، جَبَلِ مستقیم کی طرح، اپنے ہر موقف پر، قائم ہوں۔ اور آئندہ بھی قائم، رہوں گا۔ اِنْ شَاءَ اللّٰه۔

جس کی وجہ، یہ ہے کہ میں نے مذکورہ دونوں کتب، (عرفانِ مذہب ومسلک، وعرفانِ حقائق) میں، جو کچھ بھی لکھا ہے، وہ:

مذہبِ سَوادِ اعظم اہلِ سنّت و جماعت اور مسلکِ اعلیٰ حضرت کے مطابق ہے۔ فقہِ حنفی اور جدید وقدیم کتبِ فقہِ حنفی کے مطابق ہے۔ فتاویٰ رضویہ وفتاویٰ امجدیہ وفتاویٰ مصطفویہ وفتاویٰ صدرُ الافاضل وفتاویٰ ملک العلما وغیرہ کے مطابق ہے۔

یہی وجہ ہے کہ معترضین وحاسدین، دَم بخود ہو کر، مُہر بہ لب ہو چکے ہیں۔

''**تصوف اور سیاست**'' (صوفی سیمینار و کانفرنس سے متعلق، مجموعۂ مضامین) طبعِ اول۔ لِمُرا فاؤنڈیشن، شاہین باغ۔ نئی دہلی) بھی، اسی سلسلۂ رُشد وہدایت کی ایک مضبوط، کڑی ہے۔

اور، اس کی، ہر کڑی، ایک دوسرے سے اِس طرح، مربوط ومنظّم ومستحکم ہے کہ:

کبھی ٹوٹنے کا نام بھی نہیں لے گی۔ اِنْ شَاءَ اللّٰه۔

''**بھاجپا نواز گروپ**'' کے ''بعض (زَر خرید) نوجوان مولویوں'' کی:

یا وَہ گوئی وہرزہ سرائی کا انجام، ان کی ندامت ورُسوائی کے سِوا، کچھ نہیں۔

''**بھاجپا نواز گروپ**'' کے آدھا درجن سے زیادہ، ایسے نوجوان مولویوں کے نام، مجھے معلوم ہیں، **جو، تنخواہ دار، اور وظیفہ خوار، رہ چکے ہیں۔**

جن میں سے بعض، اب بھی حقِ نمک، ادا کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ، اُچھل کود، کر رہے ہیں۔

صوفی سیمینار و کانفرنس کی سرگرمی، شروع ہونے کے ساتھ ہی، یہ خبر، ملتی رہی کہ:

''بھاجپا ہی، ایسی پارٹی ہے، جس میں کسی مضبوط مسلم تنظیم کا عمل دخل اور اس کا غلبہ نہیں ہے۔

اِس لئے اب، بھاجپا کے ساتھ، مل کر اپنی سیاسی طاقت، بنانی ہے اور مختلف کمیٹیوں میں اپنے آدمیوں کو، ممبر و چیئرمین بنانے کا پروگرام ہے۔'' وغیرہ وغیرہ۔

مولانا سید تنویر ہاشمی، بیجاپوری (صدر علما ومشائخ بورڈ، صوبہ کرناٹک، انڈیا) ۱۶؍مارچ کو رضوی کتاب گھر، مٹیا محل، دہلی کے آفس میں تشریف لائے اور انھوں نے دَورانِ گفتگو فرمایا کہ:

''بچپن سے کانگریس کو، دیکھ رہے ہیں کہ اس نے مسلمانوں کے لئے کچھ نہیں کیا۔

اب، سوچا اور پروگرام بنایا گیا ہے کہ بھاجپا کو بھی، آزما کر، دیکھا جائے۔''

(روایت: حافظ قمر الدین رضوی۔ مالک و مدیر ماہنامہ کنز الایمان، مٹیا محل، دہلی بتاریخ ۳؍اپریل ۲۰۱۶ء۔ بمقام دارُ القلم، ذاکر نگر، نئی دہلی۔ ۲۵)

اَلْحَمْدُ لِلّٰه! ''تحریکِ اسلاف شناسی''، حسبِ سابق، اپنی شان وشوکت کے ساتھ، جاری ہے۔ جس کی ایک اہم علمی وفکری کڑی ہے: ''**سلسلۂ ولی اللّٰهی عزیزی کے دینی وعلمی احوال وآثار**۔

اور دوسری کڑی ہے: ''**عُلمائے فرنگی محل کے دینی وعلمی احوال وآثار**''

فروری ۲۰۱۶ء میں خانقاہِ قادریہ ایوبیہ، پیرا کنک، ضلع کوشی نگر، مشرقی اتر پردیش (انڈیا) کی طرف سے ''شاہ عبد العزیز، محدّث دہلوی سیمینار'' کا انعقاد ہو چکا ہے۔ اور ۲۱ مئی ۲۰۱۶ء میں دارُ القلم، دہلی کا سالانہ اجلاس، بعنوان ''شاہ عبد العزیز، محدّث دہلوی کانفرنس'' کا پروگرام ہے۔

جیسا کہ اس سے پہلے، ایک سالانہ اجلاسِ دارُ القلم، بعنوان ''شیخ عبد الحق، محدّث دہلوی کانفرنس'' کا انعقاد ہو چکا ہے۔

مسلکِ رضا اور فکرِ رضا کی تفہیم وتبلیغ کا سلسلہ، بِحَمْدِہٖ تَعَالیٰ آن بان کے ساتھ، جاری ہے۔ اور، چار سو (۴۰۰) صفحات پر مشتمل، تازہ ترین کتاب "**فقہِ حنفی اور امام احمد رضا**"، بقلم یٰسٓ اختر مصباحی کی کمپوزنگ مکمل ہو چکی ہے۔ جسے جلد ہی حوالۂ پریس کیا جا رہا ہے۔ **اِنْ شَآءَ اللہ۔**

۲۰۱۶ء کے آخر میں، گونڈی، بمبئی میں، عظیم الشان پیمانے پر "امام احمد رضا سیمینار وکانفرنس" کا انعقاد، زیرِ قیادت ونگرانی: حضرت مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی وحضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی ویٰسٓ اختر مصباحی، وزیرِ اہتمام وانتظام: خانقاہِ قادریہ ایوبیہ، پپرا کنک، ضلع کوشی نگر، مشرقی اتر پردیش (انڈیا) ہو رہا ہے۔ **اِنْ شَآءَ اللہ۔**

بِحَمْدِہٖ تَعَالیٰ "تحریکِ فضلِ حق شناسی" کے بطن سے "تحریکِ اَسلاف شناسی" کا وجود ہوا، جسے مارہرہ مطہرہ و دیگر سنّی خانقاہوں، اِداروں اور موجودہ اکابر عُلمائے اہلِ سنّت ودانشورانِ مِلّت کی بھرپور تائید وحمایت، حاصل ہے۔

اس تحریک کے پہلے مرحلے میں، یہ دو بڑے پروگرام ہوئے:

(۱) امامِ اعظم ابو حنیفہ سیمینار وکانفرنس، گونڈی، بمبئی۔ مؤرخہ ۲۱ تا ۲۳ / دسمبر ۲۰۱۲ء۔

اس سیمینار وکانفرنس کی رپوٹ اور اس کے مضامین ومقالات کا ضخیم مجموعہ، بنام:

"**انوارِ امام اعظم ابو حنیفہ**" شائع ہو چکا ہے۔

سیمینار وکانفرنس کا اِہتمام واِنصرام، اور مجموعۂ مضامین ومقالات کی طباعت واِشاعت، خانقاہِ قادریہ ایوبیہ، پپرا کنک، ضلع کوشی نگر۔ مشرقی اتر پردیش (انڈیا) کی طرف سے ہوئی۔

(۲) امامِ اعظم ابو حنیفہ سیمینار وکانفرنس، قیصر باغ، لکھنؤ۔ مؤرخہ ۲۴ / مارچ ۲۰۱۳ء۔

اس سیمینار وکانفرنس کا اہتمام واِنصرام، دار العلوم حنفیہ رضویہ، رِنگ روڈ لکھنؤ کی طرف سے، تاریخی "بارہ دری" قیصر باغ لکھنؤ میں ہوا۔

بِحَمْدِہٖ تَعَالیٰ، بمبئی ولکھنؤ کے، یہ پروگرام، بے حد کامیاب اور تاریخ ساز، ثابت ہوئے۔ دونوں مقامات کے عوام وخواص اور طلبہ وعُلما کا مجموعی تأثر، یہ ہے کہ:

ایسا معیاری اور باوقار علمی وتحقیقی پروگرام، یہاں، اہلِ سنّت کی تاریخ میں:

اس سے پہلے، کبھی، نہیں ہوا۔

"سَوادِ اعظم واَکابرِ سَوادِ اعظم"، "مذہبِ اہلِ سُنّت ومسلکِ اعلیٰ حضرت"، وغیرہ سے متعلق حقائق ومعارف سے معمور کتاب "عرفانِ مذہب ومسلک" کی ایمان افروز اور فکر انگیز تحریروں

سے مذہب ومسلک کے صحیح عرفان کے ساتھ، قارئینِ کرام کی دیگر معلومات میں خاطر خواہ اور متنوّع اضافہ ہوا۔ جس کا مختصر نمونہ، یہاں، ملاحظہ فرمائیں:

"سَوادِ اعظم اہلِ سُنّت وجماعت ہی، ہمیشہ، حق وہدایت پر، اور کثیرُ التَّعداد، رہے ہیں۔

لیکن! بالفَرْض، کبھی قلیلُ التَّعداد ہو جائیں، تب بھی، اہلِ حق وہدایت، یہی، رہیں گے۔

مذہب ومسلکِ حق "مذہب ومسلکِ سَوادِ اعظم اہلِ سُنّت وجماعت" ہی ہے۔

اور، عالَمِ اسلام کے جُملہ عُلما وفُقہا ومُجتہدین واَولیا وصُلحائے کاملین، مثلِ ائمۂ اربعہ، امامِ اعظم ابو حنیفہ وامام محمد بن ادریس شافعی وامام مالک وامام احمد بن حنبل ودیگر ائمۂ مجتہدین اور اکابر صوفیہ ومشائخ کرام، مثلِ ائمۂ سلاسلِ طریقت، غوثِ اعظم، سیدنا الشیخ عبد القادر جیلانی بغدادی وسلطانُ الھند، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری وخواجہ بہاءُ الدین نقشبند وحضرت شیخ شہاب الدین، سہروردی وسیدنا الشیخ احمد کبیر، رفاعی وسیدنا الشیخ ابو الحسن، شاذلی۔

ودیگر مشائخِ طریقت، رِضْوَانُ اللّٰہِ عَلَیھِم اَجْمَعِین، اِسی شاہراہِ سَوادِ اعظم اہلِ سُنّت وجماعت، پہ، تا حیات، گامزن رہ کر، دُنیوی واُخروی فلاح وسعادت سے ہم کنار اور شاد کام، ہوئے۔

...... مندرجہ ذیل، نمائندہ اکابر واسلاف وصوفیہ ومشائخ وعُلما وفُضلائے کرام:

ہمارے لئے بہترین نمونہ، اور اُسْوَہ وقُدْوَہ ہیں۔

یہی، ہمارے ہادی ورہنما اور ہمارے پیشوا ہیں۔ جو، ہند وپاک کے مختلف علاقوں میں، آرام فرما ہیں۔ اور، ان کے فیوض وبرکات کی نہریں، آج بھی، رَواں ہیں، جن سے مسلمانانِ ہند وپاک وبنگلہ دیش، اپنی مذہبی وروحانی پیاس بجھاتے اور سیرابی، حاصل کرتے رہتے ہیں:

رہنمائے کاملاں، سید علی ہجویری، داتا گنج بخش لاہوری وحضرت بہاءُ الدین زکریا سہروردی ملتانی وعطائے رسول، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری وخواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دہلوی وبابا فرید الدین مسعود گنج شکر ومحبوبِ الٰہی، نظام الدین اولیا دہلوی وحضرت مخدوم علی احمد علاءُ الدین صابر، کلیری ومخدومِ جہاں، شیخ شرفُ الدین یحییٰ منیری وامیر کبیر، سید علی، ہمدانی کشمیری ومخدوم سید اشرف جہاں گیر، سمنانی، کچھوچھوی ومخدومِ اَوَدھ، شاہ محمد مینا چشتی لکھنوی وشیخ عبد الحق، محدّث دہلوی وصاحبُ البرکات، سید شاہ برکتُ اللہ قادری، مارہروی وبحر العلوم، مولانا عبد العلی محمد، فرنگی محلی لکھنوی ومولانا شاہ انوارُ الحق، فرنگی محلی لکھنوی وشمسِ مارہرہ، سید شاہ آلِ احمد اچھے میاں، مارہروی وشاہ عبد العزیز محدّث دہلوی ومولانا شاہ احمد سعید مجدّدی، دہلوی ومولانا

رشید الدین خاں، دہلوی ومولانا شاہ محمد مخصوص اللہ دہلوی ومولانا فضلِ حق خیرآبادی ومولانا فضلِ رسول، عثمانی، بدایونی وخاتم الاکابر، سید شاہ آلِ رسول، احمدی، مارہروی ومولانا حیدرعلی، فیض آبادی، وغیرھُم ۔رِضْوَانُ اللّٰہِ علَیہِم اَجمَعِین ۔''

(ص ۱۷ تا ص ۱۹۔**عرفانِ مذہب ومسلک**۔طبعِ اخیر، مارچ ۲۰۱۴ء)

''ہندوستانی ''وہابیت'' کا آغاز ''تقویۃ الایمان'' سے ہوا۔جس کا مختلف مَراحل میں:

اکابر عُلَما ومشائخِ اہلِ سُنَّت نے رَدّ وطَرد کیا اور اس فتنۂ ہائلہ کے اِستیصال کی حتی المقدور کوشش کی۔جس کا نہایت اِجمالی ذکر، مندرجہ ذیل تحریر میں، ملاحظہ فرمائیں:

''فتنۂ وہابیت کے سَدِّ باب کے لئے، مولانا رشید الدین خاں دہلوی ومولانا فضلِ حق خیرآبادی اور شاہ مخصوص اللہ دہلوی وشاہ محمد موسیٰ دہلوی نبیرگانِ شاہ ولی اللہ محدِّث دہلوی ودیگر عُلَما ومشائخ دہلی نے ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء میں، شاہجہانی جامع مسجد، دہلی کے اندر، شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی سے مباحثہ ومناظرہ کیا۔

شاہ احمد سعید مجدِّدی دہلوی وشاہ عینُ الحق عبدالمجید عثمانی بدایونی ومولانا فضلِ رسول عثمانی بدایونی ومولانا حیدر علی فیض آبادی ومولانا جمال الدین فرنگی محلی لکھنوی (نواسۂ بحرالعلوم، مولانا عبدالعلی فرنگی محلی) ومولانا مُخلص الرحمٰن چاٹگامی ومفتی شرف الدین رام پوری ومولانا غلام مُحی الدین قصوری ومولانا سلامت اللہ کشفی بدایونی وسید عبدالفتاح گلشن آبادی ومولانا سید عبداللہ بلگرامی اور، نہ جانے کتنے عُلَما ومشائخِ اہلِ سُنَّت نے، زبانی وتحریری طور پر، وہابیت کا تعاقب کیا۔

بعد کے اَدوار، میں مولانا مفتی ارشاد حسین، مجدِّدی، رام پوری (متوفی ۱۳۱۱ھ) ومولانا نقی علی قادری برکاتی، بریلوی (متوفی ۱۲۹۷ھ) وتاجُ الفحول، مولانا عبدالقادر عثمانی، بدایونی (متوفی ۱۳۱۹ھ) وحافظِ بخاری، سید عبدالصَّمد مودودی چشتی، سَہسوانی ثُمَّ پھپھوندوی (متوفی ۱۳۲۳ھ) وامام احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی (متوفی ۱۳۴۰ھ) ومولانا غلام قادر، بھیروی، پنجابی (متوفی ۱۳۲۷ھ) ومولانا غلام دستگیر، قصوری، پنجابی (متوفی ۱۳۱۵ھ) ومولانا عبدالسمیع بیدلؔ رام پوری، سہارن پوری (متوفی ۱۳۱۸ھ) ومولانا احمد حَسَنؔ، کان پوری (متوفی ۱۳۲۲ھ) ومولانا وکیل احمد سکندر پوری ثُمَّ حیدرآبادی (متوفی ۱۳۲۲ھ) ومولانا خیرالدین دہلوی (متوفی ۱۳۲۶ھ) ومولانا عبدالعلی، آسیؔ، مدراسی، لکھنوی (متوفی ۱۳۲۷ھ) ومولانا وصی احمد، محدِّث سورتی، پیلی بھیتی (متوفی ۱۳۳۴ھ) ومولانا حکیم سید برکات احمد، ٹونکی (متوفی ۱۳۴۷ھ) وغیرھُم، رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعالیٰ علَیہِم اَجمَعِین کی خدماتِ جلیلہ، اِس سلسلے میں نہایت روشن وتابناک

اور، ناقابلِ فراموش ہیں۔

اہلِ سُنَّت وعُلَماے اہلِ سُنَّت کے تعلق سے اپنی لاعلمی، بلکہ عِناد ومخاصَمت کی وجہ سے مُعانِدین ومُخالفین کی طرف سے بہت سی باتیں کہی اور لکھی جاتی ہیں۔جن میں سے ایک بات، **یہ بھی، بار بار کہی اور لکھی جاتی رہی ہے کہ:**

''مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے اپنی تحریروں کے ذریعہ، ہندوستان کے اندر **مسلکی اختلاف، پیدا کیا۔اور اسے، پَروان چڑھایا۔''**

اِن ناواقفوں، یا، مخالفوں کو، معلوم نہیں کہ:

۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء میں، جب تقویۃ الایمان (جس کی تالیف کئی سال پہلے ہی ہو چکی تھی اور نقل در نقل، لوگوں تک پہنچتی رہی) منظرِ عام پر آئی تو اُس کا، سب سے پہلا تحریری جواب ۱۲۴۰ھ ہی میں، حضرت شاہ عبدالعزیز، محدِّث دہلوی (وصال ۱۲۳۹ھ) کے شاگردِ رشید، حضرت مولانا فضلِ حق خیرآبادی (وصال ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء) نے پہلے مرحلے میں، اِجمال واِختصار کے ساتھ:

''تقریرِ اعتراضات، برتقویۃ الایمان'' اور دوسرے مرحلے میں ''**تحقیقُ الفَتویٰ فِی اِبطالِ الطَّغویٰ**'' کے نام سے دیا۔پھر، رسالہ ''یک روزہ'' از شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی کا محقّقانہ جواب ''**اِمتناعُ النَّظیر**'' کے نام سے، سپردِ قلم فرمایا۔

۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء ہی میں، تقویۃ الایمان کے پیدا کردہ مسائل کے خلاف:

اکابر عُلَما ومشائخِ اہلِ سُنَّت نے جامع مسجد دہلی میں، شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی (متوفی ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) سے مناظرہ کر کے، انھیں، ساکت وعاجز اور لاجواب کیا تھا۔

اور ساتھ ہی ساتھ، یہ تاریخی حقیقت بھی، یاد، رکھنی چاہیے کہ:

اِس، سُنّی وہابی مناظرۂ جامع مسجد، دہلی میں، نہ بدایوں کا کوئی شخص (عالمِ دین) تھا، نہ بریلی کا۔

''امام احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی پر ''مسلکی اختلاف پیدا کرنے کا اِلزام''

نہایت لغو اور باطل ہے۔جس کی تردید وتغلیط کے لئے اِس حقیقت کا اظہار، کافی ہے کہ:

مناظرۂ جامع مسجد، دہلی ۱۲۴۰ھ کے بتیس (۳۲) سال بعد، ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء میں امام احمد رضا کی ولادت ہوئی۔جب کہ، خود، آپ کے والدِ محترم، حضرت مولانا نقی علی، قادری برکاتی، بریلوی کی بھی، اِس مناظرہ (۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء) کے، چھ (۶) سال بعد، ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۰ء میں، ولادت ہوئی تھی۔

بدایوں وبریلی میں، متعدد جلیلُ القدر عُلَما تھے۔جن کی بہت ساری دینی وعلمی خِدمات ہیں۔

لیکن! اِس تعلق سے، جامع مسجد، دہلی میں، جو، کچھ ہُوا، اُس میں، صرف عُلماے دہلی، شریک تھے اور، **انھوں نے ہی، وہابی اسمٰعیلی خیالات کا، رَدّ و اِبطال کیا۔"**

(ص ۳۴ تا ص ۳۵۔ **عرفانِ مذہب و مسلک۔** طبعِ اخیر۔ مارچ ۲۰۱۴ء)

آج سے ایک صدی قبل، جب مختلف جہتوں سے دین پر، ایک طوفانی یلغار تھی۔ تقدیسِ اُلوہیت اور تعظیمِ رسالت پر، انگشت نمائی ہی نہیں، بلکہ، حملوں کا ایک تسلسل تھا۔ وُسعتِ علمِ رسالت کی مفروضہ عقلی حد بندی کر کے، اسے جانوروں، گدھوں سے تشبیہ، دی جا رہی تھی۔ کسی، نئے رسول و نبی کی بعثت کو، ممکن سمجھ کر، عقیدۂ ختمِ نبوت پر، ضرب لگائی جا رہی تھی۔ تقلیدِ فقہی عُرفی اور تصوفِ اسلامی کو، شرک و بدعت، قرار دیا جا رہا تھا۔ مَعمولات و مَراسمِ اہلِ سنّت کو، بدعت و ضلالت سے تعبیر کیا جا رہا تھا۔ اُس وقت، بہت سے عُلماے اہلِ سنّت و جماعت نے باطل افکار و تحریکات کا زبردست مقابلہ کیا۔ اور مسلمانانِ متحدہ ہند کے ایمان و اسلام کی حفاظت کی، ہر ممکن، علمی وفکری و عملی کوشش کی۔ اپنی زبان و قلم کو، تحفظ و دفاعِ اسلام و اہلِ اسلام کے لئے، وقف کر دیا۔

ان عُلماے اہلِ سنّت کی خدمات، یقیناً، نہایت گراں قدر، اور لازوال ہیں۔

لیکن! اپنے قابلِ صدرَ شک علم و فضل، تبحُّر و تفقُّہ، ذہانت و فطانت، بصیرت و فراست، شوکت و حشمت اور پوری جرأت و اِستقامت کے ساتھ، اکابر و مشاہیر عُلماے اہلِ سنّت و جماعت کے نمائندہ و ترجمان کی حیثیت سے، جو، مردِ دانا اور مردِ مجاہد، پرچمِ حق، بلند کرتا ہوا صف در وصف شکن بن کر، میدانِ وغا میں آیا۔ جس کی سَطوت وصَولت سے، باطل کے ماتھے پر، پسینہ آیا۔ اور جس نے لشکرِ باطل میں ہلچل، ڈال دی۔

جس نے اپنے تبحُّرِ علمی، قوتِ فکر، رفعتِ تخیُّل، اِصابتِ رائے، صَلابتِ موقف اور شوکتِ قلم سے، نہ صرف، یہ کہ حق کا پرچم، سر بلند، رکھا، بلکہ، اپنے وارثین و نائبین کی ایک فوج ظفر موج اور اپنی بے شمار کتب و رسائل کا نہایت مضبوط و مؤثر ہتھیار، آنے والی نسل تک، منتقل کرتے ہوئے، سَوادِ اعظم اہلِ سنّت و جماعت اور ان کے مذہب و مسلک کے تحفظ و دفاع کا بھر پور سامان کیا۔

جس کی تحریرات، جس کے فتاویٰ، جس کی ہدایات، جس کی تعلیمات، آج، سَوادِ اعظم اہلِ سنّت و جماعت کے لئے متاعِ گراں مایہ اور سامانِ صد افتخار ہیں۔

جس کا نغمۂ عشقِ رسول، بحر و بر کی وُسعتوں میں گونجتے ہوئے اپنے مرکزِ عشق و محبت اور

جانِ حیات و کائنات کی محبتوں کی سوغات، تقسیم کر رہا ہے۔

اور، ان کی عظمتوں کے پرچم لہرا رہا ہے۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی سَیِّدِنا محمدٍ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَ بَارِک وَ سلَّم۔

تاریخِ اسلام کا وہ، فرزندِ عظیم، وہ، بطلِ جلیل، وہ، فردِ فرید، کوئی اور نہیں، بلکہ **"احمد رضا"** ہے۔

جس نے اپنی پوری علمی و فکری و قلمی توانائی، تحفظ و دفاعِ عظمتِ مصطفیٰ **عَلَیْہِ التَّحِیَّۃُ وَ الثَّنَا** کی راہ میں، قربان کر دی۔

اور آخری قطرۂ خون تک، نثار کر دینے کے لئے اُس کی زبانِ حال سے، اُس کی حیات کے آخری لمحے تک، یہ مجاہدانہ و قلندرانہ نغمۂ عشق گونجتا رہا کہ:

فَاِنَّ اَبِی وَ وَالِدَتِی و عِرْضِی
لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِنْکُم وِقَاءُ

☆☆☆

کروں تیرے نام پہ جاں، فِدا، نہ بَس ایک جاں، دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی، نہیں، جی بھرا، کروں کیا، کروڑوں جہاں، نہیں

اِسی عشق و محبتِ رسول اور اسی جاں سپاری و جاں نثاری کا فیضان ہے کہ:

اَربابِ علم و دانش و اصحابِ فضل و کمال و اکابرِ شریعت و طریقت اور، سَوادِ اعظم اہلِ سنّت و جماعت کے عامّۂ مسلمین کے قلوب، آپ کی طرف، اِس طرح، مائل ہوئے، جس کی برصغیر، ہند و پاک و بنگلہ دیش کی حالیہ صد سالہ مسلم تاریخ میں، کوئی نظیر و مثال نہیں۔

صورتِ حال، یہ ہو چکی ہے کہ آپ کا نام، سنتے اور پڑھتے ہی، اہلِ سنّت کے باتوفیق عوام وخواص کی آنکھوں میں چمک، دلوں میں سرور، اور ایک پُر کیف روحانی بالیدگی، پیدا ہو جاتی ہے۔

یقیناً، آپ "مِعیارِ سُنّیت" کی حیثیت سے، سَوادِ اعظم کے درمیان، متعارف و مقبول ہو چکے ہیں اور مذہبِ سَوادِ اعظم کی ترجمانی و نمائندگی کے باب میں آپ کا اسمِ گرامی، "وقارِ سُنّیت" اور "نشانِ اِمتیاز" بن چکا ہے۔ اور حق و انصاف کی بات، یہ ہے کہ:

"قیس" سا، پھر کوئی، اُٹھا، نہ "بنی عامر" میں
فخر ہوتا ہے، گھرانے کا، سَدا، ایک ہی شخص

قارئینِ کرام! صوفی کانفرنس و سیمینار میں شرکت سے میرے انکار کے سلسلے میں:

آج، اگر، کوئی، یہ کہتا ہے کہ:

بورڈ کے صدر کی پیش کش، قبول کر کے، ان سے ملاقات وگفتگو ہو جاتی تو:

ہوسکتا ہے کہ تبادلۂ خیال کے بعد، وہ، مصباحی صاحب کے اندیشوں کا اِزالہ کر دیتے۔"

قارئین، غور فرمائیں کہ، جب، میں کہتا کہ:

اتنے بڑے پیمانے پر، ہونے والی تیاری کے پیچھے، مجھے کسی لابی اور پارٹی کا ہاتھ، معلوم ہو رہا ہے؟ یہ بڑے خطرے کی گھنٹی ہے۔ آپ ایسا ہرگز، نہ کریں اور عوام اہلِ سنّت سے مالی تعاون، حاصل کر کے، صرف اپنے ذرائع و وسائل سے اپنا پروگرام کریں۔ اسی میں سلامتی اور آپ کا وقار ہے۔ یہی، آپ کا آبائی طریقہ اور یہی، آپ کا معیار واِفتخار ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

تو کیا، وہ، میری بات، مان کر قدم، پیچھے ہٹا لیتے اور وسیع پیمانے کی اپنی تیاریوں کو سمیٹتے ہوئے، از سرِ نو، اپنی منصوبہ سازی کر کے عوامی تعاون، حاصل کرنے کا، نیا سلسلہ، شروع کر دیتے؟

گفتگو کے دَوران، جب مجھے، ان کی زبانی، معلوم ہوتا کہ:

شری، نریندر مودی، صوفی سیمینار (۱۷/مارچ۔ وِگیان بھون، نئی دہلی) میں شرکت کر کے، اس میں، خطاب بھی کریں گے۔

اسی طرح، جب، یہ معلوم ہوتا کہ:

۲۰/مارچ کی صوفی کانفرنس (رام لیلا میدان، نئی دہلی) کے مقررِ خصوصی، پروفیسر، طاہر القادری ہوں گے۔

تو، اس اِنکشاف پر، اظہارِ حیرت وافسوس کے ساتھ، میرا مشورہ، اور اس پر، اصرار ہوتا کہ آپ، شری، نریندر مودی اور پروفیسر، طاہر القادری کو، اپنی صوفی کانفرنس وسیمینار میں مدعو کر کے، انھیں، **شرکت وخطاب کا، ہرگز، کوئی موقع، نہ دیں۔"**

وہ، کچھ بھی، فوائد بتاتے، میرا جواب، ایک ہی ہوتا کہ:

"آر، ایس، ایس کی پارٹی، بھاجپا کی گود میں بیٹھ کر، کسی طرح کا کوئی فائدہ، مسلمانوں کو، ہرگز نہیں چاہیے۔"

اس کے بعد، کیا وہ، میری بات، مان کر، پروگرام کے پھیلائے ہوئے **وسیع ترین دائرے کو، سمیٹ کر، کسی جلسۂ دستار بندی کی تیاری، شروع کر دیتے؟**

ایسا ہونا، اب بھی، میرے نزدیک، قرینِ قیاس نہیں، بلکہ، بعید از قیاس ہے۔

گذشتہ کو چھوڑ کر، حال پر آیئے کہ: پہلے، ایسا کچھ نہ ہو سکا تو کیا، اب ایسا نہیں ہو سکتا کہ:

عُلما ومشائخ بورڈ، اپنی غلطی کا اعتراف کر کے، ندامت کے ساتھ، قوم سے وعدہ کرے کہ

اِنْ شَاءَ اللہ، آئندہ، ایسی کوئی غلطی نہیں ہوگی؟ اور بھاجپا سے کبھی بھی میرا کوئی ربط وضبط، نہیں، رہے گا؟

آثار، ایسے نظر نہیں آ رہے ہیں۔ مگر، اللہ تعالیٰ، مقلِّبُ القلوب ہے۔

خواہش اور دعا، یہی ہے کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ، خیر وصلاح وفلاح کی کوئی صورت، پیدا فرمائے۔

آمِین آمِین یَا رَبَّ الْعَالَمِین۔ بِجَاہِ حَبِیبِکَ وَ نَبِیِّکَ سَیِّدِ الْمُرْسَلِین عَلَیْہِ وَعَلیٰ آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ الصَّلوٰۃُ وَ التَّسلِیم۔

انٹرنیشنل صوفی کانفرنس وسیمینار، نئی دہلی میں، اَزہرِ ہند، جامعہ اشرفیہ مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ۔ (یوپی۔ انڈیا) کے کسی سینئر، یا۔ کم، از کم۔ کسی جونیئر مدرس کو، شریک کرنے کے لئے، ایڑی چوٹی کا زور لگایا گیا۔ **مگر، کوئی مدرس، کیا، کوئی طالب علم بھی، شریک نہیں ہوا۔**

فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلیٰ ذٰلِکَ۔

آل انڈیا سنّی جمعیۃ العلما کے لیٹر پیڈ پر، بمبئی کی سنّی تنظیموں کی طرف سے ایک مشترکہ بیان (مورخہ ۱۲/مارچ ۲۰۱۶ء) جاری ہوا کہ:

ہمارے یقین واعتماد کے مطابق، عُلمائے بریلی واشرفیہ مبارک پور۔ اِسی طرح، مارہرہ مطہّرہ کے امینِ مِلّت، حضرت سید محمد امین میاں قادری برکاتی وحضرت سید نجیب حیدر میاں قادری برکاتی اور کچھوچھۂ مقدسہ کے، حضرت مولانا سید محمد مدنی میاں اشرفی وحضرت مولانا سید محمد ہاشمی میاں، کچھوچھوی۔ یا۔ ان میں سے:

کسی کے نامزد نمائندے کی شرکت، صوفی سیمینار و کانفرنس میں نہیں ہوگی۔"

سنّی تنظیموں کے یقین واعتماد کے مطابق ہی نتیجہ، سامنے آیا کہ، مذکورہ حضرات میں سے کوئی بھی، شریک نہیں ہوا، نہ ہی، ان کا کوئی نمائندہ، شریک ہوا۔ **فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلیٰ ذٰلِکَ۔**

بِفَضْلِہٖ تَعَالیٰ میری تحریروں کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ بہت سے لوگ حقیقتِ حال سے آگاہ ہوئے۔ بعض لوگ، جو، شریک ہونے کا ارادہ رکھتے تھے، انھوں نے اپنا ارادہ، بدل دیا۔ جو لوگ، کشمکش میں تھے، ان کی کشمکش، دور ہوئی۔ اور انھوں نے صحیح فیصلہ کیا۔ **فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلیٰ ذٰلِکَ۔**

متعدد حضرات، حقیقتِ حال سے واقف، نہ ہونے کی وجہ سے شریک ہو گئے۔ مگر، رنگِ محفل، دیکھ کر، انھیں، ندامت ہوئی، افسوس ہوا۔

ایسے لوگوں میں سے بعض نے، خود، فون کر کے مجھے بتایا۔ اور اظہارِ ندامت وافسوس کیا۔

اب تک کے مضامین وتحریرات میں "**بھاجپا نواز گروپ**" کے سامنے، میں نے:

صرف، یہ پانچ سوالات، رکھے ہیں، جو، ابھی تک حل طلب ہیں۔ وہ، سوالات، یہ ہیں:

(۱) صوفی کانفرنس وسیمینار کے اِخراجات کے لئے، کروڑوں روپے، کہاں سے آئے؟

(۲) جمہور عُلمائے اہلِ سنّت کو، جب، پروفیسر، طاہر القادری سے اختلاف ہے تو، انھیں، مدعو کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

(۳) ملک کے وزیر اعظم، شری، نریندر مودی کے ساتھ، دہلی کے وزیر اعلیٰ، شری، کیجریوال کو بھی، مدعو اور شریک کرنے میں، کون سی سیاست، مانع وحائل تھی؟

(۴) صوفی سیمینار، وِگیان بھون (۱۷/مارچ) میں، جب:

بعض مدعو سامعین و حاضرین کی طرف سے ''بھارت ماتا کی جَے'' کا نعرہ، لگ رہا تھا تو، سارے منتظمینِ سیمینار اور اسٹیج نشین حضرات، خاموش کیوں، رہے؟

اور صوفی کانفرنس (۲۰/مارچ) میں بھی، اس مسئلہ پر، خاموش رہ کر:

اپنا شرعی موقف، واضح کرنے سے، کیا معذوری ومجبوری تھی؟

(۵) آر، ایس، ایس کا بنیادی نظریہ ''متحدہ قومیت'' (یعنی ہندو قومیت) اِعلامیہ میں کیسے، شامل ہوا؟ جسے، صوفی کانفرنس (۲۰/مارچ) میں بھی، پڑھ کر، سنایا گیا؟

یہ، پانچواں سوال، نہایت اہم ہے کہ:

اِس نظریۂ متحدہ قومیت کی گھس پیٹھ، ''اِعلامیہ'' میں، کیوں اور کیسے ہوئی؟

''اِعلامیہ'' کے مرتّبین ہی نہیں، بلکہ، عُلما و مشائخ بورڈ کے قائدین بھی،

اگر، اِس سے بے خبر تھے کہ قومیت و متحدہ قومیت کیا چیز ہوتی ہے؟

مسلم قیادت اور ملکی سیاست کے پیچ وخم، کیا ہیں؟

تو پھر، انھیں، اتنے بڑے کام کا ''بیڑا''، اُٹھانے کی کیا ضرورت تھی؟

اگر، قومیت و متحدہ قومیت کا مفہوم، معلوم تھا تو پھر، کس کے اشارے اور کس کے حکم پر، اسے، اِعلامیہ کا حصہ بنایا گیا؟ اور قوم ومِلّت کی نظریاتی واخلاقی پسپائی ورُسوائی کا سامان کیا گیا؟

اور اگر، اس کا مفہوم، معلوم نہیں تھا۔ اور موجودہ حالات میں جب کہ اس کا کوئی چرچا، بلکہ کوئی ذکر بھی نہیں تھا، تو، اسے، **اِعلامیہ میں، شامل کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟**

''قومیت'' اور ''متحدہ قومیت'' کا مطلب، آر، ایس، ایس کے نزدیک، یہ ہے کہ ساری قومیں، اپنا تشخص اور وجود، ختم کر کے، ''ہندوتوا'' میں، ضم ہو جائیں۔ کیوں کہ اس کے نزدیک ''ہندوتوا''

ہی کا، دوسرا نام، راشٹریتا (قومیت) ہے۔

ویسے، پانچوں سوالات، اپنی جگہ، اہم ہیں۔ اور:

''بھاجپا نواز گروپ'' کے جس پُر جوش ممبر، یا۔ حامی، اور ''زَرخرید مولوی'' کو، کچھ لکھنے یا۔ بولنے کا شوق ہے۔ وہ، انھیں، پانچوں سوالات کے جوابات پر، اپنی توجہ، مرکوز، رکھے۔

سرزمینِ ہند (مع وسیع وعریض جغرافیائی حُدود) سے اُنسیت و محبت اور اہلِ ہند کی اس سے محبت و وفاداری کی بنیاد، تلاش کرنے میں، اِدھر اُدھر بھٹکنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟

یہی وہ، مبارک و مسعود سرزمین ہے، جہاں سے ''انسانِ اول'' اور ''مومن و مسلم اول'' کا اِس جہانِ رنگ وبو میں، وجود وظہور ہوا۔

اسی ''انسانِ اول'' کی اصل ونسل سے، بنی نوعِ انسان کا، وجود ہوا۔

اسی کی ذُرِّیّت واولاد سے، دنیا کا ہر گوشہ، آباد ہوا۔

اسی سرزمین سے، ساری کائنات کو ''آدمیت'' کی نعمت و دولت، میسّر آئی۔

اس سرزمین پر، پہلا قدم، رکھنے والا انسان، نبیِ اول کی حیثیت سے مبعوث ہوا۔

اس ''نبیِ اول'' کا، دین، ''اسلام'' ہی ہے۔ جس کی دعوت وتبلیغ کا، اس نے فریضہ، انجام دیا۔

اس کی دعوت وتبلیغ سے قبولِ اسلام کرنے والے ہی انسان کا نام ''مومن ومسلم'' قرار، پایا۔

''پہلے انسان''، ''پہلے مسلمان''، ''پہلے نبی''، ''پہلے ہندی''

یعنی ''ہند کے پہلے شہری وباشندے''، اور ''ساکن ومُتوطّنِ اول'' وہی، تھے۔

اور، اُن کی اصل، نسل، قومیّت، وطنیت''، ہی، ہمارے لئے باعثِ اِعزاز وافتخار ہے۔

اسی عظیم وقدیم نسبت اور تاریخی حیثیت کا ذکر کرتے ہوئے، حسّانُ الھند، سید غلام علی آزاد، بلگرامی (متوفی ۱۲۰۰ھ) فرماتے ہیں کہ:

وَالْھِنْدُ مَھْبَطُ جَدِّنَا وَ مَقَامُهٗ
قَوْلٌ صَحِیْحٌ جَیِّدُ الْاِسْنَادِ

سندِ صحیح کے ساتھ، قولِ صحیح، یہی ہے کہ:

سرزمینِ ہند ہی، ہمارے جدِّ اَمجد (آدم عَلَیْهِ السَّلام) کی جائے نزول اور جائے قیام ہے۔''

اسی نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے، ڈاکٹر اقبال (متوفی ۱۹۳۸ء) نے ایک نہایت اہم، مگر، مشروط بات کہی ہے کہ:

ہے اگر، قومیتِ اسلام، پابندِ مقام
ہند، ہی بنیاد ہے، اس کی، نہ فارس ہے، نہ شام

اور اپنا خلاصۂ نظریۂ قومیت، پوری صراحت کے ساتھ، ڈاکٹر اقبالؔ نے اِس طرح، بیان کر دیا ہے کہ:

قوم، مذہب سے ہے، مذہب جو، نہیں، تم بھی نہیں
جَذبِ باہَم، جو، نہیں، محفلِ انجم بھی نہیں

حیرت انگیز بات، یہ ہے کہ پروفیسر، طاہر القادری نے بھی صوفی کانفرنس کے اپنے خطاب میں اُس ''اِعلامیہ'' کی تائید وحمایت کی ہے جس میں متحدہ قومیت کی تائید وتوثیق کی گئی ہے۔

اجمیر شریف کی ایک محفل میں ۵؍رجب کو، حضرت مولانا سید محمود اشرف کچھوچھوی، سجادہ نشین آستانۂ اشرفیہ، سرکارِکلاں، کچھوچھہ شریف نے فرمایا کہ:

''مسلمانوں کو، سرکاری تصوف کی نہیں، حضرت خواجہ غریب نواز کے تصوف کی ضرورت ہے۔''

سنگھ پریوار (آر، ایس، ایس، بھارتیہ جنتا پارٹی، وِشو ہندو پریشد، بجرنگ دَل، وغیرہ) کو، اَفواہ پھیلانے اور پروپیگنڈہ کرنے میں، مہارت، حاصل ہے۔

بالخصوص، کسی جگہ، ہندو مسلم فساد ہو جائے تو، اُس کے تربیت یافتہ افراد، مسلمانوں کے خلاف، طرح طرح کی افواہ بازی کر کے، سارا ماحول، اتنا گرم کر دیتے ہیں کہ:

اُس جگہ اور اُس آبادی کا امن وامان، غارت، اور، درہم برہم ہو جاتا ہے۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کا کچھ نہ کچھ اثر، بھاجپا نواز گروپ کے بعض:

زَرخرید نوجوان مولویوں میں بھی، آ گیا ہے۔ جس کا نمونہ، یہ ہے کہ:

''مصباحی صاحب نے فون کر کے، صوفی کانفرنس وسیمینار میں شرکت سے لوگوں کو منع کیا۔''

اگر، اِس اَفواہ میں ذرا بھی صداقت ہے تو دو چار حضرات کے ایسے بیانات، یہ گروپ، منظرِ عام پر لائے جن میں، اِس کی صراحت ہو کہ:

''مصباحی صاحب نے، مجھے، فون کر کے، کانفرنس وسیمینار میں شرکت کرنے سے منع کیا ہے۔''

لیکن! اِس کا خیال رہے کہ بھاجپائی اَفواہ و پروپیگنڈہ کی طرح، یہ بیانات، فرضی، اور مغالطہ آمیز، نہ ہوں۔ **کیوں کہ بالمشافہہ گفتگو، اور بیان کی نوبت بھی، آنی ہی آنی ہے۔**

بھاجپا نواز گروپ کی اَفواہ بازی کا، دوسرا نمونہ، یہ ہے کہ:

امین ملّت، حضرت سید محمد امین میاں قادری برکاتی، مارہروی کے نام سے نیٹ پر، ایک فرضی خط، مُشتہر کیا گیا کہ، **ہم، شریکِ صوفی کانفرنس، ہو رہے ہیں۔**

تیسرا نمونہ، یہ ہے کہ: نیٹ پر، مُشتہر کیا گیا کہ:

حضرت مولانا سید محمد ہاشمی کچھوچھوی، دہلی تشریف لا چکے ہیں اور شریکِ صوفی کانفرنس، ہوں گے۔

چوتھا نمونہ، یہ ہے کہ: نیٹ پر مُشتہر کیا گیا کہ:

تاجُ الشریعہ، حضرت مولانا مفتی محمد اختر رضا ازہری، بریلوی، دہلی تشریف لا چکے ہیں۔ اور آپ، شریکِ کانفرنس ہوں گے۔''

اصولی بحث سے گریز کرنے والے اور غیر متعلق باتیں، چھیڑنے والے افراد:

اپنے طرزِ عمل سے، واضح، کر دیتے ہیں کہ:

اس میدان میں تو، ہم، شکست کھا چکے ہیں۔ یا۔ شکست کے آثار، نمایاں ہیں۔

اِس لئے ہم، اب، میدان چھوڑ کر، بھاگ رہے ہیں۔

اور کسی دوسرے میدان کی پناہ لے کر، وہاں سے آپ کے خلاف، تیر ونشتر چلائیں گے۔

اِس طرح، وہ، ایک میدان سے، دوسرے میدان کی طرف، دوڑتے بھاگتے پھرتے ہیں۔ **اور کہیں، کسی بھی میدان میں، انھیں پناہ، نہیں ملتی۔**

بھاجپائی سیاسی اثر ورُسوخ کا ہمیں، خوف، نہ دلایا جائے۔

اور قانونی داؤ پیچ میں، اُلجھانے کی دھمکی بھی، ہمیں، نہ دی جائے۔''

ہم، صرف اور صرف، یہ جانتے ہیں کہ ہمارا حافظ وناصر، اللہ، **ربُّ الْعِزَّت وَحدہٗ لاشریک** ہے۔

اس کے بعد، اگر، کچھ جانتے ہیں، تو، یہ جانتے ہیں کہ:

دستورو آئینِ ہند کے حوالے سے ''یونیفارم سِول کوڈ'' کی طرف، پیش قدمی کی:

جو، مسلسل کوشش، مختلف حکومتیں اور سیاسی پارٹیاں کرتی چلی آ رہی ہیں، اُس کے جواب میں، پوری جرأت وبصیرت وقوت کے ساتھ، ہم، یہ جواب، دیتے آ رہے ہیں کہ:

اوّلاً: خود، ہندوؤں کے اندر، اتنے مذہبی وطبقاتی اختلافات ہیں کہ ان کے لئے ہی ''یونیفارم سِول کوڈ'' کے کسی قابلِ قبول آئینی مسوّدہ کی تدوین وترتیب، ناقابلِ عمل ہے۔

ثانیاً: کوئی ایسا ''یونیفارم سِول کوڈ'' جو ''اسلامک لا'' اور ''مسلم پرسنل لا'' کا وجود، خطرے میں ڈال دے، اُسے ہم، قطعاً، حتماً، جزماً، مُسترد، اور ناقابلِ قبول، قرار دیتے ہیں۔

کیوں کہ یہی ہمارا دینی وملّی فیصلہ اور فریضہ ہے۔

اور، یہ اِس لئے بھی کہ ہم، اچھی طرح، جانتے ہیں کہ:

دستورِ ہند، ہی نے اپنی ایک دفعہ کے تحت، تمام ہندوستانیوں کو، اپنے مذہب پر چلنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی مکمل آزادی، دے رکھی ہے۔

اور یہ بھی جانتے ہیں کہ: ہمارا ملک، دستوری طور پر، جمہوری ملک ہے۔ جس میں کسی کے مذہب کے خلاف، کوئی بھی چیز، مسلّط نہیں کی جاسکتی۔

اس سلسلے میں، تقریباً پچیس (۲۵) سال پہلے، ''مسلم پرسنل لا کا تحفظ'' (مطبوعہ دہلی) کے نام سے شائع شدہ، میری کتاب میں، قارئینِ کرام، دیگر تفصیلات کا مطالعہ کرسکتے ہیں۔

اسی طرح، مسئلۂ قومیت ہے کہ:

کس کا کیا خیال ونظریہ ہے؟ اور کوئی خیال ونظریہ، ہے بھی کہ نہیں؟

اس سے ہمیں، کوئی غرض نہیں۔ غرض اور مطلب ہے تو، صرف اِس بات سے کہ:

قومیت، یا۔ متحدہ قومیت، یا۔ کسی بھی نام سے، اسلام اور قومِ مسلم کے تشخّص و وجود کو خطرے میں ڈال دینے والی، **کسی طرح کی قومیت، قطعاً، حتماً، جزماً، ہمیں، منظور نہیں۔**

اپنے تشخص و وجود کے خلاف، کسی طرح کا کوئی سمجھوتہ، ہمیں، ہرگز، گوارا نہیں۔

اور اس لئے بھی کہ: دستوری وجمہوری طور پر، ہمیں، اپنا مذہبی تشخص و وجود، اپنی اصل شکل میں، باقی وبرقرار، رکھنے کا پورا پورا حق ہے۔

''**عرفانِ مذہب ومسلک**'' کے خلاف، برپا کردہ شورش اور پیدا کردہ فتنہ سے متعلق:

میرا، صرف، ایک سوال تھا کہ:

''عرفانِ مذہب ومسلک'' کے اندر، **کوئی ایک بھی، شرعی غلطی، ثابت کردی جائے۔**''

مگر، ہندوستان بھر میں، شور وہنگامہ کرنے والے حضرات، آج تک:

کسی شرعی غلطی کی نشان دِہی، نہ کرسکے۔ اور، اِنْ شَاءَ اللہ، زندگی بھر، **کوئی شرعی غلطی، ثابت نہیں کرسکتے۔**

مُعترض حضرات، اپنے اِلزامِ شرعی کا ثبوتِ شرعی، پیش نہ کرسکے اور نہ ہی، اب تک، علانیہ توبۂ شرعی کیا۔ جس کا فرض اور قرض، ایسے حضرات کے سر پہ سوار، اور، واجبُ الادا ہے۔

کچھ، یہی حال، ''بھاجپا نواز گروپ'' کے زرخرید مولویوں کا ہے کہ:

اصل موضوع، اصل بحث، اصل میدان سے بھاگتے پھر رہے ہیں۔

اور بھاگتے ہوئے، کبھی، گالیاں، بک رہے ہیں، کبھی، پتھر، چلا رہے ہیں۔

مگر، اصل میدان کی طرف، قدم، آگے، نہیں بڑھا رہے ہیں۔

جو، میدان، پانچ سوالات کی شکل میں، ان کے، بالکل سامنے ہی ہے۔

اب تو، انٹرنیشنل صوفی سیمینار و کانفرنس، نئی دہلی کے اِنعقاد سے پہلے اور بعد کے سارے آثار وقرائن، نیز، زبانی روایات ومعلومات کے ذریعہ، علما وخواص ہی نہیں، بلکہ عوام بھی حقیقتِ حال سے بخوبی، یا۔ کافی حد تک، واقف ہوچکے ہیں۔

اور، باہر کی طرح، اندر کے بھی بہت سے حالات سے، بے شمار لوگ، باخبر ہوچکے ہیں۔

ایسی صورت میں کیا کوئی، باشعور اور غیرت مند مسلمان، آر، ایس، ایس، یا۔ اس کی سیاسی پارٹی، **بھاجپا کی گود میں بیٹھنا، کبھی، گوارا کرسکتا ہے؟**

کوئی، بھاجپا نواز شخص، اور وہ، بھی عالم، مولوی، صوفی، ایسی جرأت وجسارت کرکے، **مسلم معاشرے کی، مذہبی یا سیاسی قیادت کرسکتا ہے؟**

ایسا، ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اور غیرت مند مسلمان، اسے، **کبھی، برداشت نہیں کرسکتے۔**

اول وآخر بات، یہ ہے کہ:

نہ اِدھر اُدھر کی تو بات کر، یہ بتا کہ قافلہ، کیوں لُٹا؟
مجھے ''رَہزنوں'' سے غرض نہیں۔ تری ''رَہبری'' کا سوال ہے

ضروری انتباہ

''یوروپ'' کے مُلحِدانہ نظریۂ قومیت اور ''ہندوتوا'' کے مُشرِکانہ نظریۂ قومیت پر، ایک تازہ ترین مضمون، جلد ہی، قارئین کی خدمت میں، پیش کیا جارہا ہے۔ وَالسَّلام۔

☆☆☆

یٰسٓ اختر مصباحی
دارُالقلم، قادری مسجد روڈ،
ذاکر نگر، جامعہ نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵
09350902937

مؤرخہ
۲۳/رجب ۱۴۳۷ء
یکم مئی ۲۰۱۶ء۔ بروز یک شنبہ

قوم، ''مسلم'' ہے مِری، دین، مرا ''مُصطفوی''

قوم، مذہب سے ہے، مذہب جونہیں ،تم بھی نہیں
جَذبِ باہم جو نہیں، محفلِ انجم بھی نہیں

ہرانسان ،متعدد نسبتوں سے وابستہ ہوتا ہے اور ہر مستحسن نسبت سے اسے اُنسیت ومحبت ہوا کرتی ہے، گہرا لگاؤ ہوتا ہے،اور وہ نسبت،اس کی شناخت بھی ہوا کرتی ہے۔مثلاً:

ہرمسلمان کواپنے دین ومذہب سے تعلقِ خاطر ہوتا ہے۔ جسے وہ،اپنی جان ودل سے زیادہ عزیز، رکھتا ہے۔ دین و مذہب سے اس کی پائیدارنسبت ہی،اُس کا حقیقی تعارف،اُس کا امتیاز واختصاص اور اُس کی واضح شناخت ہوتی ہے۔ جو، اُس کے لئے باعثِ اعزاز وافتخار اور سرمایۂ سعادت،ہوا کرتی ہے۔

جوسرزمین،اُس کی ولادت گاہ ہوتی ہے۔ جہاں، وہ، اِس دنیا میں اپنا پہلا قدم رکھتا ہے۔ اُس سرزمین سے اُسے فطری اُنسیت ومحبت ہوجاتی ہے، جو، زندگی بھر کے لئے اُس کے نہاں خانۂ دل کی امانت بن جاتی ہے۔ اوراس کی ہریاد، اُس کے لئے باعثِ صد ہزار فرحت وبہجت ومسرت، ہوا کرتی ہے۔

جس خطۂ ارض اور جس ملک کا وہ، باشندہ ہوتا ہے۔ جہاں کا وہ،شہری،ہوتا ہے،اُس ملک کی محبت ووفاداری کو،وہ،اپنی زندگی کالازمی حصہ،اوراپنا دینی واخلاقی فریضہ،تصور کرتا ہے۔

مِلّتِ اسلامیہ اورقومِ مسلم کا اپنے آپ کو،وہ،ایک اہم فرد سمجھتا ہے۔اپنی قوم کے تحفظ،اُس کی تعمیر،اُس کے عروج واِقبال،اُس کے وقار وآبرو،اُس کی عظمت وشہرت اوراُس کی بقا واستحکام کو خود،اپنے وجود کی فلاح وکامرانی کاعنوان اورسرنامۂ اِفتخار سمجھتا ہے۔

اوراسے اپنے دل کی گہرائی سے،ایسا سمجھنا ہی چاہیے۔

یہی،اِس حیات وکائنات کی زندہ وتابندہ حقیقت اور واضح وروشن صداقت ہے کہ:

ہر فرد ہے ،مِلّت کے مقدّر کا سِتارا

مسلمان، اپنے دین ،اپنی قوم، اپنے وطن ،اپنے ملک، ہرایک سے محبت رکھتا ہے **اوراپنی اپنی جگہ، ہرایک کاوفادار ہوتا ہے اوراسے،ایسا ہونا ہی چاہیے۔**

وہ، حجازی ہوکہ عراقی، مصری ہوکہ شامی، ہندوستانی ہوکہ پاکستانی ،افریقی ویوروپی ہوکہ امریکی وآسٹریلیائی، ہرصورت اور ہرحال میں ایک سچا مسلمان:

اپنے دین، اپنی قوم، اپنے وطن، اپنے ملک، ہرایک سے محبت رکھتا ہے۔اور:

ہرایک کا وفادار ہوتا ہے۔اوراسے،اِن سب کا وفادار ہونا ہی چاہیے۔

دنیا کے کسی خطے،کسی علاقے میں،کوئی مسلمان،آباد ہو،اُس مسلمان کا اصل تعارف واِمتیاز ،اُس کا دینِ اسلام ہے۔**نہ کہ نَسب ونسل اور ملک ووطن۔**

اپنی اسلامی شناخت اور اعزاز واِفتخار کو،پسِ پشت ڈالتے ہوئے:

''اَلْوَحدۃُ الْعَرَبِیۃُ''اور''نَحنُ اَبناءُ الْفَرَاعِنَۃ'' کا نعرہ لگانا''عہدِ جاہلی'' کی یادگار ہے۔

مذہب بیزار فلسفۂ''قومیت'' ہوکہ فلسفۂ''وطنیت'' اُسے، پروان چڑھانا،مغربی اَقوام ومِلَل کے فلسفۂ حیات کی ریزہ خواری اوران کی ذہنی وفکری غلامی کی پس ماندہ یادگار ہے۔

جو،قومِ مسلم کے دین ومذہب کے لئے،زہر ہلاہل اور پروانۂ موت ہے۔

اِن تازہ خداؤں میں، بڑا،سب سے ''وطن'' ہے
جو، پَیرہن، اِس کا ہے، وہ، مذہب کا ''کفن'' ہے

متحدہ ہندوستان کے چند معروف ہندو مفکرین اور لیڈروں کے خیالات ونظریات، یہاں پیش کیے جارہے ہیں۔جس کا مقصد،کسی نئی بحث کا آغاز نہیں، بلکہ تاریخِ ماضی کا آئینہ دکھانا، اصل مقصود ہے۔

مندرجہ ذیل،تاریخی حوالہ جات سے،دودوچار کی طرح،واضح ہوجائے گا کہ:

قومیت ہو،یا۔متحدہ قومیت،ان کا صحیح نظریاتی مصدر ومنبع اور مفہوم ومراد:

کس کے نزدیک،کیا ہے؟

''قومیت'' کے بارے میں ''نوبل انعام یافتہ'' بنگالی شاعر ومفکر،رابندر ناتھ ٹیگور کا نظریہ،ہے کہ:

(انگریزی سے ترجمہ)لفظِ قوم،(نیشن) ہماری زبان اور ہمارے ملک میں نہیں پایا جاتا۔ یوروپی علوم سیکھنے کے بعد،اس کاتصور،ہمارے یہاں، پیدا ہوا۔

مگر، ہمارے مذہب ، ہماری تہذیب ، ہماری زبان اور ہمارے خاندان میں ، **کہیں بھی اس کا کوئی تصور،نہیں پایا جاتا تھا۔''**

(P:130, Eastern and western civilization, Edited by Sachin Sen, General Printers and publishers, Calcutta, 1947)

مشہور ہندو مفکر و لیڈر، سوامی وویکانند، ’’قومیت‘‘ کے بارے میں لکھتے ہیں:

(انگریزی سے ترجمہ) **یوروپ میں ’’قومی ایکتا‘‘ کی بنیاد، سیاست ہے۔**

اور، ایشیا میں ’’قومی ایکتا‘‘ کی بنیاد، مذہب ہے۔

اسی لئے ہندوستان کے بہتر مستقبل کے واسطے، سارے مذاہب کا ایک ہوجانا، ضروری ہے۔

اور ہندوستان کے طول وعرض میں، صرف ایک مذہب کو قبول کیا جانا، لازم ہے۔

(P:286-287, The future of India, in the complete worus of Swami Vivekananda, Vol,3, A Dvaita Ashram, Calcutta, 1997)

شری، ویردامور ساوَرکر کا نظریۂ قومیت، یہ ہے:

(انگریزی سے ترجمہ) **’’ہندوتوا‘‘ کے بنیادی عناصر، یہ ہیں:**

ایک قوم، ایک نسل، ایک تہذیب۔‘‘

(P:116, Hindutva, V.D. Savarkar, Bharti Sahitya Sadan, Delhi, 1989)

(انگریزی سے ترجمہ) **’’ہندوتوا‘‘ کے عناصر ہی ’’قومیت‘‘ کے بھی، عناصر ہیں۔‘‘**

(P:137, Hindutva, V.D. Savarkar, Bharti Sahitya Sadan, Delhi, 1989)

آر، ایس، ایس، سربراہ، شری، **گولوالکر** لکھتے ہیں کہ:

(انگریزی سے ترجمہ) کسی قوم (نیشن) کے پانچ بنیادی عناصر ہوتے ہیں:

ملک، نسل، مذہب، تہذیب، زبان۔‘‘

(P:39, We or our Nationhood Defined, M.S. Golwalkar, Bharat Publications, Nagpur, 1939)

(انگریزی سے ترجمہ) سرزمینِ ہند میں ہندو نسل، ہندو مذہب، ہندو تہذیب، ہندو زبان
یہی چیزیں، مِل کر ’’نظریۂ قومیت‘‘ کی تکمیل کرتی ہیں۔‘‘

(P:43, We or our Nationhood Defined, M.S. Golwalkar,

Bharat Publications, Nagpur, 1939)

اپنے ایک نہایت وقیع رسالہ (بنام ’’اَلرَّشاد‘‘۔ مؤلّفہ سید سلیمان اشرف، مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ کالج، علی گڑھ۔ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء) میں، علاّمہ سید سلیمان اشرف، بہاری، ثمّ علی گڑھی (وصال ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء) سابق صدر شعبۂ علومِ اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔ خَلیفۂ فقیہِ اسلام، امام احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی (وصال ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) **قُدِّسَ سِرُّھُمَا**، تحریر فرماتے ہیں:

’’مسلمانوں کا ایک عہد، عیسائیت کے ساتھ، تعشُّق وشیفتگی کا تھا۔ مسلمان، ہمہ تن، اوس میں حُلول وجَذب ہوجانے کے لئے بیتاب تھے۔

لیڈرانِ قوم نے اوس وقت، نہایت بلند آہنگی سے، یہ صُور پھونکا تھا کہ:

’’اگر، باعزت، دنیا میں رہنا چاہتے ہو، تو یوروپ میں جَذب ہوجاؤ۔

مسلم ہستی، بذاتِ خود، قائم ہو ہی نہیں سکتی۔ اسلامی انداز، جلد از جلد چھوڑو۔ اور یوروپ کے اسلوب، اختیار کرو۔‘‘

پھر، کیا تھا۔ مسلمانوں کی شکل وصورت، لباس وپوشاک، طرزِ ماندوبود۔

غرض، ہر ایک شعبۂ حیات میں، یوروپ کی تجلّی تھی۔ حتیٰ کہ نام تک، یوروپین تلفظ واملا میں شامل کرلیا گیا۔ ارکانِ اسلام سے بیگانہ وَشی، لَوازِمِ تہذیب وتعلیم، قرار پائی۔

اب، چند سال سے، ایک نیا دَور، شروع ہوا۔

مسلمانوں نے دوسری کروٹ بدلی تو اِس کی تلاش ہوئی کہ:

اِس مرتبہ، کس قوم میں مِل کر، فَنائے کُلّی کا مرتبہ، حاصل کیا جائے۔

تاکہ اس کی رہی سہی علامتِ اسلامی بھی، مٹ جائے؟

بارے! اِس مرتبہ، زیادہ سرگردانی کی نوبت، نہیں آئی۔

پاس ہی، ملک میں، **ایک قوم ہمسایہ، مل گئی**۔ نہایت اطمینان سے اوس میں جذب ہونا، شروع ہوگئے۔

لیڈروں نے پھر، اسی تلقین کا اِعادہ کیا کہ:

’’تم، ہیچ۔ تمہارے مذہبی دستورُ العمل، ہیچ۔ تمہارے اسلام کے کارنامے، ہیچ۔

خبردار! مسلم قوم کو بذاتِ خود، قیام کی کوشش، سخت حماقت وبے غیرتی ہے۔

یہ زرّیں موقع، ہاتھ سے جانے، نہ پائے۔

احسان مانو کہ اپنی رہی سہی ''**قومیت**''، مٹانے کے لئے ہمیں، دور، نہ جانا پڑا۔

خود، اپنے ہمسایہ میں ایک ''قوم''، ایسی مل گئی جس میں جذب ہوکر:

ہم، نیست ونابود ہوسکتے ہیں۔

مسلمانوں نے بھی، لیڈروں کی اِس تلقین پر، لَبّیک کہا۔

اِس دَور سے پیشتر، عیسائیت میں جذب ہونے کے لئے مسائلِ شرعیہ میں:

طرح طرح کی تحریفیں، کی گئیں۔ آیاتِ قرآنی واحادیثِ نبوی کے مطالب میں،

عجیب وغریب، معنیٰ آفرینیوں سے کام لیا گیا۔

اِس دَورِ جدید میں، ہندوؤں کے لئے، وہی باتیں، کی جارہی ہیں۔

مذہب کا بڑا حصہ، یوروپ پر سے نچھاور کیا جاچکا تھا۔ جو، باقی تھا، وہ:

بڑی فیاضی سے ''**ایک شریف قوم**'' نے پہلے ہی قدم اتحاد پر قربان کردیا۔'' اِلیٰ آخِرِہٖ۔

(ص۹۔ **الرّشاد**۔ مؤلّفہ مولانا سید سلیمان اشرف۔ مطبوعہ: مطبع انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ کالج، علی گڑھ۔ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء۔ باہتمام: محمد مقتدیٰ خاں، شیروانی)

بیسویں صدی عیسوی کی تیسری چوتھی دَہائی میں، ہندو ذہنیت اور ہندوتوا کے کئی چوٹی کے نمائندوں کا، یہ **خیال** اور **نظریہ**، زبانی وتحریری طور سے سارے ہندوستانیوں کے سامنے دوٹوک انداز میں سامنے آیا کہ:

ہندو، الگ اور مسلمان، الگ ہیں۔ اور، رفتہ رفتہ، مسلم قوم کو، ہندو قوم میں ضَم اور جذب کرلیا جائے۔

۱۹۲۳ء میں آر، ایس، ایس لیڈر، شری، **ویر دامودر ساوَرکر** نے اپنی مشہور کتاب ''ہندوتوا''، لکھی۔ جس میں ''ہندو'' کی ایک مستقل اور الگ شناخت پر، زور دیا گیا۔

''ہندوتوا''کو، قومی شناخت کی علامت، ظاہر کیا گیا۔

جس کا صاف اور صریح مطلب، یہ ہے کہ ''**غیر ہندو**'' **کی قومیت، بالکل علیحدہ ہے۔**

سیاسی طور پر، دوقومی نظریہ کا بانی، ساوَرکر ہے۔

اِسی لئے اسے ''**دوقومی نظریہ کا بانی**'' سمجھا اور کہا جاتا ہے۔

جس کا واضح لفظوں میں، یہ پیغام ہے کہ:

ہندو مذہب، ہندو تہذیب، ہندو زبان، ہندو وطن، ہندو آئین، ہندو قوم،

سب کچھ، دوسروں سے بالکل الگ ہے۔ اور:

جو، بظاہر مشترک ہے، اُسے بھی، رفتہ رفتہ ضَم کرکے، ایک، بنالیا جائے گا۔

انتہا پسند ہندو لیڈر، لالہ ہر دیال نے لکھا ہے کہ:

......''تمام مسلمانوں کو، ہر جائز وناجائز کوشش سے ہندو بناکر، ہندوؤں کے کسی نہ کسی فرقے میں شامل کرلو، اور، **اس طرح ''سوراجیہ'' حاصل کرلو۔**

اور بھارت وَرش کو، تمام غیر ہندوؤں سے پاک اور شُدھ، کرلو۔

اگر، تم،، یہ نہیں کرسکتے تو، **پہلے ''سوراجیہ'' حاصل کرلو۔**

اور ہندو ریاست، قائم کرکے، پھر سلطنت، رُعب، جاہ وحشم کی تخویف، اور زَر کی لالچ سے **تمام مسلمانوں کو، گمراہ کرکے، ہندو بنالو۔''**

(اخبار ''ملاپ'' لاہور ۱۹۲۵ء۔ اخبار ''زمیندار'' لاہور ۱۹۲۵ء۔ اخبار ''تنظیم''، امرتسر، پنجاب۔ ۱۹۲۵ء)

شری، آچاریہ کرپلانی (جنرل سکریٹری آل انڈیا کانگریس کمیٹی) بڑی صراحت کے ساتھ، کہتے ہیں کہ:

''یہاں، یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ:

کانگریس کی ہر اسکیم، گاندھی جی کے فلسفہ کے ماتحت، چلائی جائے گی۔

یہ ہرگز ممکن نہیں ہے کہ: آپ کسی اسکیم کو، کسی اور فلسفۂ زندگی کے اصول پر چلائیں۔

کانگریسی اسکیموں کا قلم، کسی اور فلسفۂ زندگی پر، نہیں لگایا جاسکتا۔

یہ فلسفۂ زندگی، دنیا کے کسی اور فلسفۂ زندگی کے ماتحت نہیں، بنایا جاسکتا۔

بہر حال! گاندھی جی کا فلسفۂ زندگی، ایک ایسا فلسفہ ہے جس سے، اِجتماعاً بھی قوم، صحیح رہبری حاصل کرسکتی ہے اور فرداً فرداً بھی، اشخاص، اس سے سیدھا راستہ پاسکتے ہیں۔

........گاندھی جی نے کانگریس کو بتایا کہ:

ہمارا کام صرف، یہ نہیں کہ ملک کی سیاسی باگ ڈور، انگریزوں کے ہاتھ سے چھین کر اہلِ ملک کے ہاتھوں میں، دے دیں۔ **بلکہ سب سے ضروری**، یہ ہے کہ:

ہم، تمام جدوجہد کی بنیاد، کسی اپنے فلسفۂ حیات پر، رکھیں۔

جس کے دائرے میں، **ہماری معاشرت واخلاق اور روحانیت**، سب کچھ، داخل ہو۔''

(اخبار مدینہ، بجنور۔ شمارہ اگست ۱۹۳۹ء)

ایسے ہی ''فلسفۂ حیات'' و ''سوراجیہ'' اور دیگر نظریات وعزائم نے:
مخلص ومدبّر علما اور باشعور وغیرت مند قائدینِ مِلّت کو مضطرب اور بے چین کر دیا۔
چنانچہ، ۱۹۲۱ء ہی میں، حضرت مولانا مفتی محمد عمر نعیمی، مرادآبادی (وصال ۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۶ء) تلمیذِ صدرُ الافاضل، مولانا محمد نعیم الدین، مرادآبادی (وصال ذوالحجہ ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء) ''سوراجیہ'' کے بارے میں، تحریر فرماتے ہیں:
''سوراج'' کے معنی، یہ ہیں کہ:
اِس ہندوستان سے، ہر اُس شخص کو نکال دیا جائے، جس کو، وہ، اپنے خیال میں:
غیر ملکی، سمجھتے ہیں۔ یا۔ تہِ تیغ کر دیا جائے۔ یا۔ دین ومِلّت سے مُرتد کر کے، غلام بنالیا جائے۔
اور، اچھوت قوموں کی طرح، کتوں اور موذِی جانوروں سے بدتر زندگی گذارنے پر مجبور کر دیا جائے۔
یہ ''سوراج'' آریہ قوم کو، جان سے زیادہ، عزیز ہے۔''
(ص ۹۔ ماہنامہ ''اَلسَّوَادُ الاعظم'' مرادآباد۔ شمارہ ربیعُ الاول ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء)
جدید نظریۂ قومیت ہو کہ متحدہ قومیت، اس کے تعلق سے ڈاکٹر اقبالؔ (متوفی ۱۹۳۸ء) نے، واضح طور سے:
جو سنگین خطرات، محسوس کیے، اُن کا اظہار، انھوں نے مختلف مواقع پر کیا۔
چنانچہ، ان کے خیالات ونظریات، ان کے صاحبزادے، جاوید اقبال، اِس طرح لکھتے ہیں:
''وہ، ہم کو، ایک ایسی قومیت کی راہ، دکھا رہے ہیں، جس کو:
کوئی مخلص (مسلمان) ایک منٹ کے لئے قبول نہیں کر سکتا۔''
(ص ۲۴۹۔ زندہ رَوَد۔ جلدِ دوم۔ از جاوید اقبال۔ مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور)
''علاوہ، اس کے، انھیں (اقبالؔ) خدشہ تھا کہ:
ایسے اِشتراک اور مسلمانوں کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھا کر:
''قومیتِ متحدہ'' کے داعی، ان کی علیحدہ، مِلّی حیثیت، نہ ختم کر دیں۔
جس کے سبب، انھیں بعد میں، پشیمان ہونا پڑے۔''
(ص ۲۴۸۔ زندہ رَوَد۔ جلدِ دوم۔ از جاوید اقبال)
اسی خطرے سے آگاہ کرتے ہوئے انجمن حمایتِ اسلام، لاہور کے ایک اجلاس

(منعقدہ در نومبر ۱۹۲۱ء) کے اپنے خطاب میں، ڈاکٹر اقبالؔ نے مسلمانوں سے کہا:
''میں، مسلمانوں کو، بتا دینا چاہتا ہوں کہ:
آج، اگر، وہ، شریعت کی راہ پر، نہ چلے، تو:
ہندوستان میں، اُن کی حیثیت، اسلامی نقطۂ نظر سے، بالکل، تباہ ہو جائے گی۔''
(ص ۶۴۔ اقبالؔ اور انجمن حمایتِ اسلام، لاہور۔ از محمد حنیف شاہد۔ مطبوعہ لاہور)
ڈاکٹر اقبالؔ، اپنے ایک مکتوب (محرَّرہ ۵/دسمبر ۱۹۲۸ء۔ بنام، غلام بھیک نیرنگؔ۔ وکیلِ انبالہ۔ پنجاب) میں لکھتے ہیں:
''اگر، ہندوستان میں، مسلمانوں کا مقصد، سیاسیات سے، محض آزادی اور اِقتصادی بہبودی ہے اور حفاظتِ اسلام، اس مقصد کا عنصر نہیں ہے۔ جیسا کہ:
آج کل کے قوم پرستوں کے روَیّہ سے معلوم ہوتا ہے۔
تو، مسلمان، اپنے مقصد میں، کبھی کامیاب، نہ ہوں گے۔
یہ بات، مَیں، علیٰ وَجہِ البصیرت کہتا ہوں۔
اور سیاسیاتِ حاضرہ کے تھوڑے سے تجربے کے بعد:
ہندوستان کی سیاسیات کی رَوِش، جہاں تک، مسلمانوں کا تعلق ہے۔
خود، اسلام کے لئے خطرۂ عظیم ہے۔
اور میرے خیال میں، شُدّھی کا خطرہ، اس خطرے کے مقابلے میں، کچھ وقعت نہیں رکھتا۔ یا۔ کم از کم، شُدّھی بھی، اسی کی ایک غیر محسوس صورت ہے۔'' (سہ ماہی ''اقبال'' لاہور۔ ۱۹۵۷ء)
ڈاکٹر اقبالؔ (متوفی ۱۹۳۸ء) سیاسی نظریۂ قومیت ومتحدہ قومیت کے بارے میں بے حد حسّاس وغیرت منداور اپنے موقف کو، اسلامی تشخُّص اور غیرت وحمیت پر مبنی، سمجھتے تھے۔
انھوں نے اپنے موقف کے اِظہار واِثبات اور اس کے برعکس موقف کی شدید تنقید پر مشتمل بہت سے اشعار کہے ہیں۔ جن میں سے، چند اشعار، درج ذیل ہیں:

سرود، برسرِ منبر کہ ''مِلّت از وطن ست''
چہ بے خبر، زِ مقامِ محمدِ عربی ست
بہ مصطفیٰ، برساں، خویش را کہ دیں، ہمہ اوست
وگر، بأو نہ رسیدی، تمام بولہبی ست

☆☆☆

نَدانی نکتۂ دینِ عرب را
کہ گوئی صبحِ روشن، تیرہ شب را
اگر، قوم از وطن بودے، محمد
نَدادے دعوتِ دیں ، بولہب را

☆☆☆

اپنی مِلّت کو قیاس، اَقوامِ مغرب پہ نہ کر
خاص ہے ترکیب میں، قومِ رسولِ ہاشمی
اُن کی جمعیّت کا ہے، ملک ونَسب پہ اِنحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے، جمعیّت تری
دامنِ دیں، ہاتھ سے چھوٹا ،تو جمعیّت کہا؟
اور جمعیّت ہوئی رخصت ،تو مِلّت بھی گئی

☆☆☆

اکبرالہ آبادی کا موقف بھی، یہی تھا کہ:

مِلّت سے کلّی وابستگی، اور مِلّی شناخت ہی، ہرمسلمان کے لئے باعثِ اِفتخار اورسرمایۂ عزت وشہرت ہے۔

اپنے مخصوص شاعرانہ انداز میں، اکبرالہ آبادی نے بڑے پتے کی بات کہی ہے کہ:

کامیابی ''خارج از مِلّت'' سے ناکامی ،بھلی
لطفِ دشمن ہی سے ہو،شہرت،تو ناکامی ،بھلی
بے وفا سمجھیں تمھیں، اہلِ حَرم، اِس سے بچو
دَہر والے، کج ادا، کہہ دیں، یہ بدنامی ،بھلی
پختہ ہوکر، اپنی شاخ وبُن سے، ہوتا ہے جُدا
اے ثمر! چشمِ محبت میں، تری خامی ،بھلی

☆☆☆

حلقۂ دیوبند کے مشہور عالم، مولانا شبیراحمد عثمانی (متوفی ۱۳۶۹ھ/۱۹۴۹ء) سابق صدر

مہتمم، دارالعلوم، دیوبند، وشیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ، ڈابھیل، گجرات (انڈیا)

نظریۂ متحدہ قومیت کو، مسلمانوں کے لئے ،خودکشی کے مترادف ،قرار دیتے ہوئے ، اِس طرح، اظہارِخیال کرتے ہیں:

''ہمارے لئے سب سے پہلے، ایک اسلامی وحدت ومرکزیت پر، زور دینے کی ضرورت ہے۔اس کے بدوں، **کسی نام نہاد، قومیتِ متحدہ کے تیز دھارے میں،**

گھاس کے تنکے کی طرح، اپنے آپ کو، ڈال دینا، خودکشی کے مترادف ہے۔

مسلمان، دوسری قوموں سے صلح کر سکتے ہیں۔ عہد و پیمان کر سکتے ہیں۔ بہت سے اُمور میں، تعاون اور اِشتراکِ عمل، کرسکتے ہیں۔

لیکن! وہ، اپنی مستقل ہستی کو، دوسروں میں، مدغم نہیں کر سکتے۔''

(ص۲۳۔ماہنامہ ''طلوعِ اسلام'' دہلی۔اکتوبر۱۹۳۹ء)

گذشتہ صفحات میں حضرت مولانا سیدسلیمان اشرف علی گڑھی، صدرشعبۂ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کی درج شدہ تحریر، یہاں دوبارہ پڑھ لی جائے تو حقیقتِ حال، اچھی طرح واضح ہوجائے گی کہ:

مسلم وجود، مسلم حیثیت اور مسلم قومیت، کسی حال میں کسی غیراسلامی نظریہ وفکر کے ساتھ کبھی بھی ضَم اور جَذب نہیں ہوسکتی۔

نیشنلزم (قومیت/راشٹریتا) سو، ڈیڑھ سوسال کا ایسا جدید نظریۂ یوروپ ہے۔جو:

بڑی تیزی کے ساتھ، دنیا کے مختلف حصوں میں متعارف ومقبول ہوگیا۔

اس نظریۂ قومیت کی بنیاد ''وطنیت'' اورصرف وطنیت ہے۔جس میں مذہب کی کوئی حیثیت ، بلکہ کوئی گنجائش نہیں۔

یوروپی نظریۂ قومیت، نیز نظریۂ متحدہ قومیت کے سلسلے میں زیادہ تحقیق وتفصیل اورتطویل سے کچھ فائدہ نہیں۔اجمال واختصار کے ساتھ، پوری بحث، اِس طرح، سمیٹی جاسکتی ہے کہ:

اسلام، چوں کہ زندگی کے ہرشعبہ، ہرنظریہ، ہرفکر، ہرعمل میں مکمل رہنمائی کرتا ہے اوراپنے ماننے والوں سے اس کا تقاضا کرتا ہے کہ:

وہ سارے اُمور ومعاملات کو، مذہبی نقطۂ نظر سے دیکھیں، سمجھیں، اور:

روحِ مذہب سے قریب تر، رہ کر، کوئی رائے، قائم کریں اورکوئی فیصلہ کریں۔

یہی وجہ ہے کہ مسئلۂ قومیت کے بارے میں مُستند عُلماے دین کا، یہی فیصلہ ہے کہ:

مسلم قوم اپنی مذہبی بنیاد، اور اپنی مکمل شناخت کے ساتھ، ایک مستقل وجود ہے۔ اور یہ مسلم قومیت، کسی دوسرے وجود میں ضَم ہوسکتی ہے، نہ ہی اپنی مذہبی حیثیت وقومیت کے ساتھ، کسی کی تابع ومحکوم ہوسکتی ہے۔

اس کی قومیت، محض مسلم قومیت ہے۔ اس کے علاوہ، اس کی کوئی قومیت نہیں۔

مسلم قومیت سے متصادم، دور جدید کے قومی نظریات، درج ذیل ہیں:

(۱) یوروپی اَقوام کے نظریۂ قومیت کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کی قومیت کی بنیاد، محض ''وطنیت'' ہے۔ جیسے: جرمن قوم، برطانوی قوم۔

ایشیائی اقوام میں چینی قوم، جاپانی قوم۔ وغیرہ۔

(۲) آر، ایس، ایس، نظریۂ قومیت کی کی بنیاد، ''وطنیت'' بھی اور ''دَھرم'' بھی ہے۔

کوئی غیر ہندو، اس قومیت کا حصہ نہیں بن سکتا۔ جب تک، وہ:

اپنے مذہبی وجود کو ''ہندوتوا'' میں ضَم، نہ کرلے۔

دوسری شکل، صرف، یہ ہے کہ وہ:

تابع ومحکوم بن کر، رہے اور اپنے لئے کسی طرح کا کوئی مطالبہ، نہ کرے۔

مؤخَّرُ الذکر دونوں نظریات، مسلمانوں کے دین ومذہب، ان کی تہذیب وتمدن اور ان کے **وجود کی مکمل نفی کرتے ہیں۔**

یہ نظریات، مسلمانوں کا شِعار، ان کا تشخُّص، ان کا وقار، سب کچھ، فنا کے گھاٹ اتار دینے والے ہیں، اِسی لئے کسی دَور میں مسلمانوں کے مستند ونمائندہ عُلماے کرام کے نزدیک، قابلِ قبول رہے ہیں اور نہ کبھی ہوسکتے ہیں۔

ہندوستانی مسلمان، اپنے وطن اور اپنے ملک سے محبت رکھتے ہیں اور دوسروں سے زیادہ اس کے وفادار ہیں۔ اس کی بقاواِستحکام اور ترقی ونیک نامی کے خواہاں ہیں۔

مگر، ان کے لئے اپنا ایمان واسلام اور اپنا دین ومذہب، اتنا عزیز اور گراں قدر سرمایہ ہے جس کی، وہ، ہر حال میں حفاظت کرنا، نہایت ضروری اور لازم سمجھتے ہیں۔ اور اس کے خلاف، وہ، کسی سے بھی اور کسی حال میں بھی کوئی سمجھوتہ کرتے ہیں اور نہ کرسکتے ہیں۔

اول وآخر، ان کا یہی موقف، یہی نظریہ اور اس کی صحت وصداقت پر، ان کا اِذعان واِیقان

ہے کہ:

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ، بجھایا نہ جائے گا

☆☆☆

یٰسٓ اختر مصباحی
دارُالقلم، قادری مسجد روڈ،
ذاکر نگر، جامعہ نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵
09350902937

مؤرخہ
۲۹؍رجب ۱۴۳۷ھ
۷؍مئی ۲۰۱۶ء۔ بروز شنبہ

بھاجپا کی شاطِرانہ پیش کش اور مسلم رَدِّعمل

تاکہ سَنَد، رہے

نومبر ۲۰۰۰ء کی مطبوعہ تحریر

بھاجپا (بھارتیہ جنتا پارٹی) اِس وقت اپنی سیاسی زندگی کے، دوراہے پر کھڑی ہے۔

اس کے سامنے، دوراستے، ایک دوسرے کی مخالف سَمت میں جارہے ہیں۔

اوراسے، دونوں میں سے کسی ایک کا، انتخاب کرنا ہے۔

ایک شاہراہ، دہلی کے ایوانِ حکومت تک پہنچاتی ہے۔ دوسری پگڈنڈی، ناگ پور (مہاراشٹر، انڈیا) کے نیکر دھاری کھیالیہ (آر، ایس، ایس، ہیڈکوارٹر) تک لے جاتی ہے۔

بیک وقت، دونوں راستوں پر سفر کرنا، مشکل ہے۔

اسی الجھن اور کشمکش نے بھاجپا قیادت کی نیند، حرام، کررکھی ہے۔

۱۹۷۷ء سے ۲۰۰۰ء کے درمیان، جن سنگھ سے بھاجپا تک، اس نے کئی پَینترے بدلے۔ کبھی ضَم ہوکر، کبھی باہر رہ کر، کبھی اندر داخل ہوکر۔ اوراب ڈیڑھ درجن سیکولر پارٹیوں کی مشروط حمایت، حاصل کرکے، سارے سیاسی حربے، اس نے آزمالیے۔ لیکن، تقریباً بیس کروڑ مسلمانوں میں سے کچھ فی صد مسلمانوں کو ساتھ لیے بغیر، بات بنتی ہوئی نظرنہیں آتی ہے۔

اِس لئے نئے بھاجپا صدر، بنگارولکشمن نے اگست (۲۰۰۰ء) کے آخری ہفتہ میں بھاجپا کے قومی اجلاس، ناگ پور (مہاراشٹر) کو خطاب کرتے ہوئے ایک نیا سیاسی جال پھینکا ہے۔

اور بھاجپا نواز سیاسی طالع آزماؤں کو، سنہری موقع، فراہم کیا ہے کہ:

وہ، اس کے ذریعہ، مسلمانوں میں، گھس پیٹھ کرکے، چندفی صدووٹ، ہموار کرنے کی کوشش کرتے ہوئے آنے والے انتخابات میں، بھاجپا کے لئے مزید کامیابی کے اِمکانات، پیدا کریں۔

بھاجپا، مسلمانوں کے لئے، مِن حیث القوم، آج تک، اَچھوت، رہی ہے۔

برسرِ اقتدار آنے اور مرکز کی باگ ڈور سنبھالنے کے بعد، انتہا پسند ہندو ووٹر بھی، آج کل اس سے کچھ ناراض ہی چل رہے ہیں۔ کیوں کہ:

ان کی انتہاپسندانہ توقعات، اُس طرح پوری نہیں ہو پارہی ہیں، جیسی، وہ، چاہتے ہیں۔

مسلمانوں کوقریب کرنے کا اعلان، سُن کر، وہ:

بھاجپا قیادت سے مزید ناخوش، بلکہ چراغ پا ہوگئے ہیں۔ جس کا اظہار، اترپردیش کے وزیراعلیٰ، مسٹر، رام پرکاش گپتا اور آر، ایس، ایس لیڈر مسٹر، گووِندآچاریہ کے بیانات سے ہورہا ہے۔

اس کے ساتھ ہی، یوپی کے بھاجپا صدر، مسٹر کلراج مشرا، دَوڑ کر، اجودھیا پہنچ گئے۔ اور وہاں، انھوں نے سادھوسَنتوں اور وِشوہندوپَریشدو بجرنگ دَل والوں کو، منانے کی کوشش کی۔

بھاجپا کا داخلی تضاد، یہ ہے کہ:

قیادت، کچھ اور سوچ رہی ہے اور عام بھاجپائی وَرکر، کچھ اورسوچ رہے ہیں۔ انھیں ''ہندوتوا'' کے نظریہ میں، کوئی سیاسی سردمہری اور مسلمانوں کی سیاسی قُربت، کسی طرح، منظور نہیں۔

بھاجپا کے لئے، نرم گوشہ رکھنے اور حیلے حوالے سے، اس کی حمایت کرنے والے بعض لوگ، مشورہ دے رہیں کہ:

مسلمانوں کو، اپنی سوچ بدلنی چاہیے اور بھاجپا کی پیش کش کوٹھکرانا نہیں چاہیے۔''

ایسے لوگ، اگر، یہ کہتے کہ:

بھاجپا کو، اپنا نظریہ اوراپنی سوچ بدلنے کے بعد ہی، مسلمانوں سے ووٹ مانگنا چاہیے، تو، ان کی رائے، باوزن سمجھی جاتی۔

مسلمانوں کی سوچ، بالکل صحیح ہے۔ بھاجپا، جوکچھ ہے اور جیسی ہے، اس کے مطابق ہی مسلمانوں کا، رَدِّعمل بھی ہے۔ **اور یہ، رَدِّعمل، فطرت کے عین مطابق ہے۔**

البتہ ''ہندوتوا'' کی نظریاتی بنیاد کے باوجود، مسلم ووٹ حاصل کرنے کی خواہش کرنا، غیرفطری ہے۔ **اوراس خواہش کی تکمیل کا، بظاہر، کوئی اِمکان نہیں۔**

بھاجپا، کھل کر، اپنا تبدیل شدہ نظریہ، واضح کرے، اپنے جارحانہ نظریات سے رُجوع کرے، اپنی مُفسدانہ وفرقہ پرستانہ حرکتوں کے لئے پورے ملک سے معافی مانگے۔

آر، ایس، ایس سے اپنی نظریاتی وابستگی مکمل، ختم کرنے کا اعلان کرے،

مدارس ومساجد اور مسلم تاریخ پر حملوں کا سلسلہ، بندکرے، تناسبِ آبادی کے لحاظ سے، ہرشعبۂ زندگی میں، مسلمانوں کے ریزرویشن، یا۔ مناسب نمائندگی کی حمایت کا فیصلہ کرے۔

اس کے بعد، اسے بھی مسلم ووٹ، خود بخود، اسی طرح ملنے لگے گا۔ جیسے، دوسری بہت سی، سیاسی پارٹیوں کو، ملتا چلا آرہا ہے۔

اس کے لئے اسے اپنے آپ کو، اندر سے تیار کرنا ہوگا۔ اپنے لیڈروں اور وَرکروں کو،

ذہنی اور عملی طور پر آمادہ کرنا ہوگا۔ تبھی، حالات، سازگار ہوں گے اور مسلمانوں کے لئے بھاجپا، قابلِ قبول، سیاسی پارٹی، بن سکتی ہے۔

لیکن! سابقہ تجربات ومشاہدات، بتاتے ہیں کہ:

ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ نہ بھاجپا بدلے گی، نہ مسلمان بدلیں گے۔

انتخابی حکمتِ عملی کے تحت، بھاجپا، کچھ بھی کرلے۔

الیکشن جیتنے کے لئے مسلمانوں کو اپنے دامِ فریب میں لانے کے لاکھ، جتن کرلے، مگر، اس کی لگام، ہمیشہ، آر، ایس، ایس ہی کے ہاتھ میں رہے گی۔

جو، شاطرانہ اور جارحانہ طریقہ سے ہندوستان میں ہندو راشٹر قائم کرنے کے خواب، دیکھ رہی ہے۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ: بھاجپا، شاخوں اور پھول پتوں پر، پانی چھڑکتی رہے اور آر، ایس، ایس، نیز وِشو ہندو پریشد جیسی تنظیمیں، مسلم وجود کو، اندر سے کھوکھلا کرنے کا، کام کرتی رہیں۔

ان سب چیزوں کو، تدبیر اور حکمتِ عملی کہا جائے گا۔ اور ایسی ہی سوچ، اِس وقت ''ہندوراشٹر'' کے علم بَرداروں کے دل ودماغ میں، پرورش پارہی ہے۔

بھاجپا، دَلِت ووٹ پر، ایک مدت سے نظر جمائے ہوئے ہے۔

نومبر ۱۹۸۹ء میں، اجودھیا کی متنازعہ زمین پر، شیلانیاس بھی، اس نے اسی مقصد سے پس ماندہ ذات کے ایک ہندو سے کرایا۔ اور اب اس نے دَلِت لیڈر، مسٹر بنگارو لکشمن کو، پارٹی کا صدر بھی، اسی منصوبہ کے تحت، بنایا ہے کہ دَلِت ووٹ کو اپنی طرف، تیزی کے ساتھ، راغب کیا جاسکے۔

۱۹۹۵ء میں، بہوجن سماج پارٹی کو حمایت دے کر، مایاوتی کو، یوپی کا وزیراعلیٰ بنانے کے پیچھے بھی، اس کی یہی نیت اور حکمتِ عملی، کارفرما تھی کہ:

اس بڑے صوبہ کے دَلِت ہندو، کسی طرح، قابو میں آگئے تو دوسرے صوبوں کے دَلِت بھی، اس کے ساتھ، ہوجائیں گے۔ لیکن، ایسا کچھ، نہ ہوسکا۔ اور ساری پلاننگ، فیل ہوگئی۔

دَلِتوں کے بعد، بڑے اہتمام کے ساتھ، بھاجپا کی نظر، اب مسلمانوں کی طرف، اُٹھی ہے۔

مسٹر، بنگارو لکشمن نے ناگ پور میں پارٹی صدر کی حیثیت سے جو بیان پڑھا، اُسے شری، اٹل بہاری، واجپئی اور شری، ایل، کے، اڈوانی، خود، پڑھ کر منظوری، دے چکے تھے۔

اس بیان میں کہا گیا ہے کہ:

۱۹۹۹ء کے پارلیمانی الیکشن میں، بھاجپا کو توقع کے مطابق، زیادہ سیٹیں، اِس لئے نہیں مل سکیں کہ: **پارٹی، مسلم ووٹ، حاصل کرنے میں، ناکام رہی۔**

اب، مسلمانوں کو قریب کرنے کی ضرورت ہے۔ پارٹی وَرکروں کو چاہیے کہ:

مسلم محلوں میں جاکر مسلمانوں سے براہِ راست، رابطہ، قائم کرکے، انھیں اپنے ساتھ، ملائیں۔

سیکولر پارٹیاں، مسلم ووٹ بینک کا استعمال کرتی رہی ہیں۔ اگر، مسلمان، بھاجپا کے ساتھ آجائیں تو، انھیں، تحفظ دیا جائے گا۔ بھاجپا کے دَورِ حکومت میں، ہر طرف، امن وامان ہے اور کہیں کوئی ہندو مسلم فساد، نہیں ہورہا ہے۔ سیکولر پارٹیاں، بھاجپا کو فرقہ پرست پارٹی کہہ کر، مسلمانوں کو، اس کے خلاف، ہمیشہ، بھڑکاتی رہی ہیں۔

بھاجپا، اِس وقت، ملک کی سب سے بڑی پارٹی اور مسلمان، اِس ملک کی سب سے بڑی اقلیت ہیں۔ ان دونوں، بڑی طاقتوں کے درمیان، دوری، ملک کے مفاد میں، نہیں۔'' وغیرہ وغیرہ۔

اس بیان سے، واضح ہے کہ:

انتخابی حکمتِ عملی کے تحت، مسلمانوں پر، جال پھینکنے کی کوشش کی گئی ہے۔

کانگریس اور دیگر پارٹیوں کے خلاف، بھاجپا نے مسلم ووٹ بینک استعمال کرنے کا عرصۂ دراز سے جو، پروپگنڈہ کررکھا تھا، **اب، وہی کام، خود، بھاجپا بھی کرنے جارہی ہے۔**

دَلِت صدر کا چہرہ، آگے بڑھاتے ہوئے اس کے ذریعہ، مسلمانوں کا کچھ ووٹ، حاصل کرکے، بھاجپا، اپنا وہ، کھیل کھیلنا چاہ رہی ہے جس کا وہ، ایک مدت سے خواب دیکھ رہی ہے۔

مسلمانوں کی خوشامد، اور مُنھ بھرائی کا، دوسری پارٹیوں کو، طَعنہ دینے والی بھاجپا، **اب، خود، اسی راہ پر چلنا، چاہ رہی ہے۔**

اسے اچھی طرح، سمجھ میں آگیا ہے کہ: مسلمانوں کو، ساتھ لیے بغیر، کام نہیں بن سکتا۔

اِقتدار اور کرسی کی لذت نے تلخی کو، شیرینی میں، تبدیل کردیا ہے۔

دوتہائی اکثریت کی طلب نے اسے سب کچھ سمجھا دیا ہے کہ:

نعرے لگانے اور حکومت کرنے میں، کتنا فرق ہے؟

اور حکمرانی کے آداب اور تقاضے، کیا ہوتے ہیں؟

اصول ونظریات اور کرسی واقتدار کی کشمکش نے، اِس وقت بھاجپا کو، سنگین بحران سے دوچار، کررکھا ہے۔

امن و امان کا جہاں تک سوال ہے، تو، ۶ ردسمبر ۱۹۹۲ء کے بعد، دو تین ماہ تک ''کانگریسی دَورِ حکومت'' میں جو کچھ ہوا، وہ، ساری دنیا، جانتی ہے۔

اس کے بعد، مرکزی و صوبائی سطح پر مجموعی طور سے آج تک، امن و امان ہی رہا۔

صوبوں میں الگ الگ پارٹیوں کی حکومت رہی۔ مرکز میں کانگریس، یونائیٹڈ فرنٹ، اور پھر، بھاجپا کی حکومت، قائم ہوئی۔ کوئی بڑا ہندو مسلم فساد، کہیں، نہیں ہوا۔

۶ ردسمبر ۱۹۹۲ء اور ۱۲ر مارچ ۱۹۹۳ء کے حادثوں اور ہنگاموں و فسادوں نے پورے ملک کو اس طرح، سراسیمہ اور دہشت زَدہ کر رکھا ہے کہ:

اب، کوئی فریق، کہیں بھی، فساد کا نام ہی نہیں لے رہا ہے۔

البتہ، بھاجپائی حکومت، اِس وقت، شدت کے ساتھ، ہندوستان بھر میں:

''اسلامی دہشت گردی'' کا، ہوَّا کھڑا کر رہی ہے۔

اتر پردیش کے مشرقی اَضلاع میں، اسے عربی مدارس، آئی، ایس، آئی کے، اَڈے۔ اور مسلم نوجوان، اس کے ایجنٹ، نظر آ رہے ہیں۔

مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کو، بدنام کر کے، اسے بند کرنے کی فرقہ پرستانہ سازش، کسے نہیں معلوم ہے؟ یونیورسٹی انتظامیہ کو، اعتماد میں لیے بغیر، گھس پیٹھ کرنے اور آئی، ایس، آئی کے نام پر، دار و گیر کا سلسلہ، ابھی چل ہی رہا ہے۔

پہلے، ٹاڈا لگا کر، جس مسلمان کو، جہاں چاہا گیا، وہاں پکڑ کر، اسے آہنی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا جاتا تھا۔ اور، اب، جسے، جی میں آیا، کسی مسلمان کو پکڑ کر، اس کے سامان میں، ہزار، پانچ سو روپے کے جعلی نوٹ، یا۔ کچھ آر، ڈی، ایکس وغیرہ، رکھ کر، مقدمات کی زنجیروں میں جکڑ، دیا جا رہا ہے۔

مسلم نوجوانوں کو، مشکوک و مشتبہ اور مسلم اداروں و تنظیموں کو، آئی، ایس، آئی کے مراکز، سمجھنے کا آج، جو، ذہن کار فرما ہے، اس سے کون، واقف نہیں ہے کہ:

یہ کس کی پروپیگنڈہ مشنری کی، کارستانی ہے؟

بھاجپا کو، فرقہ پرست کہے جانے کا جہاں تک، سوال ہے، تو:

یہ، صرف الزام نہیں، بلکہ ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے جسے ہر سیاسی شعور رکھنے والا ہندوستانی اور خود، ہر بھاجپائی لیڈر بھی، اچھی طرح جانتا اور اس پر، یقین رکھتا ہے۔

بھاجپائیوں کا نظریہ اور عمل، خود، ان کی فرقہ پرستی کی دلیل اور ثبوت ہیں۔

''ہندوتوا'' کا پرچار۔ نسلی جارحیت پر فخر۔ بابر کی اولاد۔ ہندی، ہندو، ہندوستان۔

''بھارت میں، گر، رہنا ہوگا، وَندے ماترم'' کہنا ہوگا۔ ہندو راشٹر کی راجدھانی، دہلی۔

اردو، ودیشی زبان ہے۔ ہم، پانچ، ہمارے، پچیس۔ الگ کلچر اور الگ پرسنل لا نہیں چلے گا۔

اجودھیا، کاشی، متھرا کی مسجدیں، ہمارے حوالہ کردو۔

یہ، اور اس جیسے دوسرے نعرے، کون لگاتا ہے؟ بابری مسجد، کس نے شہید کی ہے؟ مسجدوں، مدرسوں، خانقاہوں، اور قبرستانوں میں، جگہ جگہ، مداخلت اور حملے کون کرتا ہے؟

مسلمان، اور ان کی یادگاروں کو، غیر ملکی، کون، کہتا ہے؟

ایسی ذہنیت رکھنے والوں کو، فرقہ پرست نہیں تو اور کیا کہا جائے؟

آخر، فرقہ پرستی، کس چڑیا کا نام ہے؟

اتر پردیش و مہاراشٹر وغیرہ کی بھاجپا یونٹیں اور عام بھاجپائی وَرکرس، اپنی قیادت کے اِس نئے رُخ سے پشیمان و پریشان اور نالاں ہیں۔

مسلم ووٹ، حاصل کرنے کی، یہ کوئی پہلی کوشش نہیں ہے۔ اس سے پہلے بھی مسلمانوں سے اس طرح کی اپیلیں، بھاجپا کی جانب سے کی جاتی رہی ہیں۔ لیکن! اس بار، کچھ زیادہ وضاحت اور چاہت کے ساتھ، فِدویانہ گزارش کی گئی ہے۔ جو، انتہا پسند ہندو عناصر کو، راس نہیں آ رہی ہے۔

وِشو ہندو پریشد کے انٹرنیشنل سکریٹری، شری، پروین توگڑیا نے جے پور، راجستھان میں، اس کے خلاف بولتے ہوئے کہا کہ:

بھاجپا بھی، کانگریس کی راہ پر، چل پڑی ہے۔''

ممبئی میں، شری، بال ٹھاکرے نے کہا:

بھاجپا، چاہے، ''ہندوتو'' کو چھوڑ دے۔ مگر، شیوسینا، ہندوتو کو، نہیں چھوڑ سکتی ہے۔''

شری، گووِنداچاریہ نے کہا کہ:

ہندوتو، بھاجپا کا، ایسا نظریہ ہے، جس سے پارٹی، کبھی دست بردار نہیں ہو سکتی۔''

یوپی کے بھاجپائی وزیر اعلیٰ، شری، رام پرکاش گپتا کا رَدِّ عمل ہے کہ:

بنگارو لکشمن کا، یہ ذاتی بیان ہے۔ بھاجپا نے ایسی کوئی تجویز، پاس نہیں کی ہے۔''

سب سے حیرت انگیز بات، یہ ہوئی کہ:

ستمبر (۲۰۰۰ء) کے دَورۂ امریکہ میں، شری، اٹل بہاری، واجپئی نے نیویارک میں، وِشو ہندو پریشد اور سادھوؤں کے ایک اجتماع کو، خطاب کرتے ہوئے کہا کہ:

''میں، پہلے، سویم سیوک ہوں، اس کے بعد، پردھان منتری ہوں۔

پردھان منتری، نہیں رہوں گا، جب بھی، سویم سیوک، رہوں گا۔

اور مجھ سے، میرا، یہ حق، کوئی بھی چھین نہیں سکتا۔''

ایک سادھو نے کہا کہ:

حکومت کو، اکثریت کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے، رام مندر، بنانا چاہیے۔

اس کا جواب دیتے ہوئے، واجپئی نے کہا:

''اکثریت کے بل پر، جو، کام کیے جاسکتے ہیں، وہ:

ہم نے، اکثریت سے محروم رہتے ہوئے بھی کیے ہیں۔

جب، ہمیں، دوتہائی اکثریت مِل جائے گی تو، ہم، اپنے، **سپنوں کا بھارت، بنائیں گے۔''**

اس پروگرام میں، شری، اشوک سنگھل، جنرل سکریٹری، وِشو ہندو پَریشد، اور مَہنت آدتیہ ناتھ جیسے، کٹّر وَادی ہندو لیڈر بھی، شریک تھے۔

ہندوستان میں، نہیں، بلکہ امریکہ میں، شری، اٹل بہاری، واجپئی نے اپنی سنگھی ذہنیت کا اعلان کیا۔ **ایسا پروگرام کرانے اور خود اس میں شرکت وتقریر کرنے کی،**

واجپئی کو، نہ جانے کیا ضرورت، پیش آگئی تھی؟

ساری دنیا کی توجہ، جس وقت، اِس دَورۂ امریکہ کی طرف، مبذول ومرکوز تھی، اُس وقت، **سویم سیوک صاحب کو، اپنے سنگھی سپنوں کے بھارت کا نعرہ، بلند کرنے کی،**

معلوم نہیں، کیسی جلدی، آپڑی تھی؟

ویسے، معلوم تو، ہر شخص کو، یہی ہے کہ:

سنگھیوں کے سپنوں کا بھارت، ہندو راشٹر ہی ہے۔

جس کے حصول کی خواہش واُمنگ کو، یہ سنگھی، چھپائے نہیں چھپا پارہے ہیں۔

اور جب بھی اس کا خُمار، چڑھ جاتا ہے، وہ، اپنے دل کا راز، اُگل دیتے ہیں۔

بھگوا رَنگ دیکھتے ہی، اپنا اصلی رنگ، ظاہر کر دیتے ہیں۔ اور اپنوں کی محفل میں آتے ہی، اپنے سینوں کے دَفینے، باہر نکال کر، ان پر، صیقل گری، شروع کر دیتے ہیں۔''

واجپئی کے ''سویم سیوکیت'' کے اعلان پر، مرکزی حکومت میں شامل، سیکولر پارٹیاں مُہر، بہ بلب ہیں۔ اب تک کوئی احتجاج وتبصرہ، ان کی طرف سے، سامنے نہیں آیا۔

''خفیہ ایجنڈہ'' پر، چڑھا ہوا خول، اُتر گیا۔ مگر، یہ پارٹیاں، پتھرائی ہوئی آنکھوں سے:

ہندوتوا کے **عفریت کو، دیکھنے کے سوا، کچھ نہیں کر پارہی ہیں۔**

شری، بنگارو لکشمن (صدرِ بھاجپا) کے بیان سے انتہا پسند ہندوؤں کی ناراضی محسوس کرتے ہی، **واجپئی نے انھیں باوَر کرادیا کہ:**

آپ، کسی اِضطراب وتشویش میں، ہرگز، مبتلا، نہ ہوں۔ ہمیں، کرنا، وہی ہے جو، سنگھ کا منصوبہ ہے۔ اور پہنچنا، وہیں ہے جو، اس کی منزل ہے۔ اور جس کے لئے ہم سب:

ایک لمبی مدت سے جدوجہد میں مصروف ہیں۔

لیکن! ذرا، رُک جائیں۔ دَلتوں اور مسلمانوں کو، ساتھ، ملاکر پارلیمنٹ میں، دوتہائی اکثریت حاصل کر لینے دیں۔ پھر، دیکھیں کہ:

ہم، کتنی تیزی کے ساتھ، ''ہندوراشٹر'' کی شکل میں،

اپنے سپنوں کا بھارت بناتے ہیں اور ''ہندوتوا'' کے پرچم کا، بول بالا کرتے ہیں۔''

ہندوستانی میڈیا نے جیسے ہی، واجپئی کے بیان پر، انگشت نمائی کی، ویسے ہی، انھوں نے اپنے بیان کا، وہ مطلب بتانا شروع کیا، جو:

''صاف چھپتے بھی نہیں، سامنے آتے بھی نہیں'' کا عکّاس اور آئینہ دار ہے۔

لیکن! حقیقت، یہ ہے کہ صحیح مطلب، وہی ہے:

جسے، امریکہ سے ہندوستان تک کے سارے ہندوستانیوں نے اچھی طرح سمجھا اور انھیں، اپنی سمجھ پر، پورا بھروسا اور یقین بھی ہے۔

شری، بنگارو لکشمن کے بیان کے پسِ پردہ، جو عَزائم، کارفرما ہیں، انھیں بھی، سارے ہندوستانی مسلمان، بخوبی، سمجھ رہے ہیں۔ غیر مسلم بھی اس بیان کا، وہی مطلب سمجھ رہے ہیں جو سمجھنا چاہیے۔

چنانچہ، انگریزی کے صفِ اوّل کے صحافی، کلدیپ نیّر، اِس بیان پر، اپنے تأثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''یہ ساری باتیں، صرف، ووٹ اور اِقتدار کے لئے ہیں۔

اگر، بی جے پی، خلوصِ نیت کے ساتھ، مسلمانوں کو، اپنے ساتھ جوڑنا چاہتی ہے تو:

سب سے پہلے، وہ، آر، ایس، ایس سے اپنا ناطہ توڑے۔

اوراس پراپنی شرمندگی کا باضابطہ اعلان کرے کہ:

بابری مسجد، گراکر، اس نے ہندوستان کی تاریخ اور سیکولرازم کا قتل کرنے کی کوشش کی ہے۔

بنگارو لکشمن کو، چاہیے کہ:

جو، مسجد مندر کا مسئلہ ہے۔ مسلم پرسنل لا ہے۔ دفعہ ۳۷۰ ہے۔

باضابطہ اعلان کریں کہ:

یہ سب، ہمارے ایجنڈے میں نہیں ہیں۔ اور نہ کبھی، انھیں اپنے ایجنڈے پر، لایا جائے گا۔

تب تو سمجھا جائے گا کہ:

واقعی، سیاست نے کروٹ لی ہے۔ ورنہ، بُرے وقت میں، بَھلا کسے، خدا یاد نہیں آتا ہے؟

(ہفت روزہ، نئی دنیا۔ نئی دہلی۔ شمارہ ۲۶ر ستمبر تا ۲ر اکتوبر ۲۰۰۰ء)

شری، نرسمہا راؤ کے آخری دَورِ حکومت میں، کانگریس کی طرف سے ایک مہاشے جی نے مسلمانوں کو، وَرغلانے اور کانگریس کو، ووٹ دلانے کی جو مُہم شروع کی تھی اور چند لوگوں کو اپنی اس مُہم میں جس طرح، شریک کرلیا تھا، اُسی انداز سے آج کل بھی، ایک سلسلہ شروع کیے جانے کی تحریک، بھاجپائی حلقوں میں چل رہی ہے۔

اور، انھیں لوگوں کی خدمات، واجپئی و بنگارو نے بھی، حاصل کرلی ہیں۔

ایسے لوگ، اندر باہر سے بھاجپا کی وکالت پر آمادہ و کمربستہ ہیں۔ اور بھاجپا کو بھی، آزمانے اور اسے ایک موقع دینے کی، **مسلمانوں کو ترغیب دینے کی قیمت، وصول کر رہے ہیں۔**

کانگریس اور دیگر سیکولر پارٹیوں نے، نصف صدی سے مسلمانوں کا مسلسل اِستحصال کیا ہے۔ ان کی تعلیم و تجارت و معیشت کا دائرہ، تنگ کیا ہے۔ الیکشن کے وقت، سبز باغ، دکھایا ہے۔ الیکشن، جیتنے کے بعد، مسلمانوں کو، بے آب و گیاہ صحرا میں، یکہ و تنہا چھوڑ دیا ہے۔

انھیں پنپنے اور جڑ جمانے سے روکنے کی عیّارانہ سازشیں کی ہیں۔ جانی و مالی نقصان اور فساد و ہنگامہ کا، دیدہ و دانستہ ماحول پیدا کیا ہے۔ اور مسلمانوں کو، بے بسی و بے کسی اور تباہی و بربادی کی آگ میں، بار بار جھونک کر، وَحشیانہ و سنگدلانہ تبسم، زیرلب کا مظاہرہ کیا ہے۔

یہ سب تاریخی حقائق اور روشن صداقتیں ہیں۔ جو، دن کے اُجالے کی طرح، ہر ہندوستانی مسلمان کو، نظر آتی ہیں۔ اور انصاف پسند غیر مسلم بھی، موقع موقع سے ان کا اعتراف اور اعلان

کرتے رہتے ہیں۔

لیکن! بھاجپا، ان ساری چیزوں میں شریک ہونے اور ان کے لئے راہ، ہموار کرنے کے علاوہ، کچھ اور بھی چاہتی ہے۔ اور اس کی سَرِشْت و خمیر، ان پارٹیوں سے کافی مختلف ہے۔ جس سے مسلمان، اچھی طرح، واقف ہے اور اس کے قریب جانے سے ہمیشہ، گریز کرتا رہا ہے۔

بے اصول و بدعنوان، جس طرح، ساری پارٹیاں ہیں، اُسی طرح، بھاجپا بھی ہے۔

کرسی کے لئے، داؤ پیچ اور مختلف حربے، جس طرح، ساری پارٹیاں، آزماتی اور خوش کن وعدے کرتی ہیں، وہی کام، **بھاجپا بھی کرتی ہے۔**

محض سیاسی پارٹی ہونے کے اعتبار سے دیکھا جائے تو سبھی پارٹیاں، یکساں ہیں۔ بالخصوص مسلمانوں کو فریب دینے اور انھیں، بے دست و پا کرنے میں، کوئی پارٹی، کسی سے کم نہیں۔

انداز اور طریقۂ کار، اگرچہ، جُدا جُدا ہے۔

ہاں! کچھ بنیادی فرق بھی ہے، اور وہ، یہ ہے کہ:

بھاجپا و شیوسینا کی طرح، مسلمانوں کے خلاف، دیگر سیاسی پارٹیاں، اپنے بیانات و اعلانات میں، زہر نہیں اُگلتی ہیں۔

مسلمانوں کو، بدیشی، نہیں سمجھتی ہیں۔

بھاجپا کی طرح، گرو، گولوالکر کے اِس نظریہ کا اعلان نہیں کرتی ہیں کہ:

مسلمان اور عیسائی، غیر ملکی ہیں اور ان کی جڑیں کہیں اور پیوست ہیں۔

وہ، یا۔ تو، ہندو رسم و رواج اور تہذیب و تمدن کو اپنالیں، یا۔ صرف مہمان کی حیثیت سے ہندوستان میں رہیں۔ اپنے لئے حقوق کا کوئی مطالبہ، نہ کریں۔

دیگر پارٹیاں، بھاجپا کی طرح، کھلے عام، اجودھیا، کاشی، متھرا کی مساجد کو، مندر میں تبدیل کرنے کا مطالبہ، نہیں کرتی ہیں۔

''ہندوتوا'' کا بھگوا جھنڈا، نہیں لہراتی ہیں۔ اور ہندو راشٹر بنا کر، مسلمانوں کے خلاف، جارِحانہ عصبیت کا طویل المیعاد منصوبہ، ان کے سامنے نہیں ہے۔

اور آخری بات، یہ ہے کہ:

بھاجپا کے علاوہ، کسی دوسری سیاسی پارٹی کی تکمیل، راشٹریہ سویم سیوک سنگھ (آر، ایس، ایس) کے ہاتھ میں، نہیں ہے۔

وہ آر، ایس، ایس، جس کا ۱۹۲۵ء میں قیام ہوا اور ہیڈ گوار، وساوَرکر، اور گرو، گولوالکر جیسے انتہا پسند ہندو جس کے روحِ رواں، رہ چکے ہیں۔ جس کا کوئی ممبر و عہدہ دار، غیر ہندو نہیں ہوسکتا۔ اور **ہٹلر و مسولینی**، جیسے ظالم و نسل کش حکمراں، جس کے **آئیڈیل** (نمونۂ فکر و عمل) ہیں۔

بھاجپائی لیڈر، بار بار، اعلان کر چکے ہیں کہ:

ہم نے اپنے ایجنڈے چھوڑے نہیں ہیں۔ بلکہ، صرف، عارضی طور پر، انہیں، ملتوی کیا ہے، اور جب، پارلیمنٹ میں، ہماری اکثریت اور ہماری حکومت ہوگی، اُس وقت، **ہم، اپنا ایجنڈا، ضرور، لاگو کریں گے۔**

جب، پارلیمنٹ میں، ہماری، دوتہائی اکثریت ہوگی تو، ہم، ایک قانون بنا کر، رام جنم بھومی کے راستہ کی ساری رکاوٹیں، دور کردیں گے۔ **اور وہاں، رام مندر بنا کر، دَم لیں گے۔''**

اِس وقت، بھاجپا کی جو حلیف پارٹیاں ہیں، انھیں، مسلمانوں نے ووٹ دیا ہے اور بعد میں یہ پارٹیاں، اس کی حلیف بنی ہیں۔

یا۔ پہلے سے کوئی حلیف تھی جب بھی مقامی حالات و مصالح کے تحت، اسے کچھ ووٹ، دے دیا ہے۔

مگر، بھاجپا کو، کہیں بھی، مسلمانوں نے ووٹ نہیں دیا۔ کہیں، دو چار فیصد کسی بھاجپائی امیدوار کو، ووٹ ملا بھی ہو، تو وہ، مقامی اسباب و وجوہ کے تحت ملا ہوگا۔

براہِ راست، بھاجپا کو ووٹ، نہ دینے کا عمل اور تسلسل، بتا رہا ہے کہ:

مسلمان، اس بھاجپا کی آر، ایس، ایس نوازی و فرقہ پرستی کی وجہ سے اسے قبول کرنے کے لئے، کہیں اور کسی دَور میں بھی تیار نہیں ہوئے۔

اور نہ ہی وہ، کسی قیمت پر، اسے، ووٹ، دینا چاہتے ہیں۔

مسلمانوں کا، یہ عمل اور رَوَیّہ، بالکل صحیح اور حق بجانب ہے۔ کیوں کہ:

بھاجپا جو کچھ ہے اور اس کی جو نظریاتی حقیقت ہے وہ، مسلمانوں کی نظر میں ہے۔

جس سے، ایک لمحہ کے لئے بھی، وہ، غفلت برتنے اور اسے نظر انداز کرنے کو، تیار نہیں۔

قومی حمیت و غیرت اور بیدار مغزی و دور اندیشی کا یہی تقاضا ہے۔ اور مسلمانوں کو، اپنے اِس اٹل موقف سے ہٹنے اور انحراف کرنے کے بارے میں سوچنے کی کوئی وجہ اور کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔

سوال، مسلمانوں کے بدلنے اور اپنی رائے پر نظرِ ثانی کرنے کا، نہیں ہے۔ بلکہ،

خود، بھاجپا پر، اس کی ذِمّہ داری، عائد ہوتی ہے کہ وہ، **اپنے آپ کو، اور اپنے نظریات کو بدلے۔**

اگر، وہ، اندر سے بنیادی تبدیلی لاتی ہے تو پھر، راستہ اپنے آپ ہموار ہو جائے گا اور مسلمانوں کو، بدلتے دیر نہیں لگے گی۔ کیوں کہ:

ساری پارٹیاں، تقریباً، ایک جیسی ہیں۔ سب کے اندر، ہندوؤں ہی کا غلبہ و تسلُّط ہے۔

جس طرح، ہر پارٹی کو وہ، کھل کو ووٹ دیتے ہیں، اُسی طرح، بھاجپا کو بھی، ووٹ دینے لگیں گے۔ اس میں انھیں کسی تکلف اور جھجک کا احساس بھی نہیں ہوگا۔

بھاجپا، مسلمانوں کو تحفظ دینے کی پیش کش کر رہی ہے۔

خوف سے آزاد سماج کا نعرہ، اسی مقصد سے بلند کیا جاتا رہا ہے۔

تحفظ کا، یہ جال تو وہی ہے جس میں کانگریس، ایک طویل مدت تک، مسلمانوں کو اُلجھاتی رہی ہے۔ اور دیگر سیکولر پارٹیاں بھی، مسلمانوں پر، یہی جال پھینکتی چلی جا رہی ہیں۔

نصف صدی سے مسلمانوں سے، اس کے علاوہ، اور کیا کہا جا رہا ہے کہ:

ہم، آپ کا تحفظ کریں گے۔ حالاں کہ مسلمانوں کی محافظ، یہ پارٹیاں، نہ ہیں اور نہ ہی ہوسکتی ہیں۔

مسلمانوں کا محافظ تو صرف، اور صرف، اللہ تبارک وتعالیٰ ہے۔

اور اسی کی نصرت و حمایت پر، مسلمانوں کو، بھروسا بھی ہے۔

مسلمانوں کو، اِن سیاسی پارٹیوں سے کچھ چاہیے، تو:

صرف، اور صرف ''اِقتدار میں شرکت اور مفادات میں حصہ داری۔''

اس کے علاوہ، ساری باتیں، فضول ہیں۔

تناسبِ آبادی کے لحاظ سے، انھیں ہر شعبۂ حیات میں، حصہ ملنا چاہیے۔

اس کے علاوہ، کسی پارٹی سے مسلمانوں کا کوئی مطالبہ، نہیں ہے۔

مرکز میں برسرِ اِقتدار آنے کے بعد، بھاجپا، اندرونی طور پر، تیزی کے ساتھ، زوال پذیر ہوئی ہے۔ وِشو ہندو پَریشد اور بجرنگ دَل جیسی انتہا پسند تنظیمیں، اس سے بد دِل، اور مایوس ہوتی چلی جا رہی ہیں کہ:

وہ، کرسی کے لئے اپنے ہندو ایجنڈے کے ساتھ، سرد مہری، بَرت رہی ہے۔

اس لئے ناگ پور سے اس نے ایک تیر چلا کر، اس سے کئی شکار کرنے کا حربہ آزمایا ہے کہ

مسلمان، جب، اس کی دعوت و کوشش کے باوجود، اس کے قریب نہیں آئیں گے تو:

اِعتدال پسند ہندوؤں کی حمایت وہمدردی، اسے بڑی تعداد میں، حاصل ہوجائے گی۔

ان سے بھاجپا کہہ سکے گی کہ، دیکھیے:

ہم، تو مسلمانوں کو، بلارہے ہیں۔ مگر، وہ، ہماری اپیل ٹُھکرا رہے ہیں۔

یہ مقصد بھی ہے کہ اس کوشش سے چند فیصد مسلم ووٹ کا اضافہ ہوجائے تو، دنیا کو:

یہ باوَر کرایا جائے کہ ہم، فرقہ پرست نہیں ہیں۔ ہم، سب کو اپنے ساتھ لے کر، چل رہے ہیں۔ ہمارے خلاف، خواہ مخواہ کے الزامات لگا کر، ہمیں، بدنام کرنے اور فرقہ پرست کہہ کر ہم سے مسلمانوں کو، دور، رکھنے کی سیاست، کی جارہی ہے۔ حالاں کہ:

ہم، بڑے کھلے دل ودماغ کے ہیں۔ ہم، بڑے لبرل اور سیکولر ہیں۔

ایک مدت تک، بھاجپا، اِقتدار کے لئے جدوجہد کرتی رہی ہے۔

اور کافی محنت کے بعد، کسی طرح، جوڑ توڑ کر کے، اسے اِقتدار حاصل ہوا۔

اور اب، وہ، اپنے اِقتدار کے استحکام کی تدبیریں، سوچ رہی ہے۔

اس کے لئے اس نے تاریخ میں پہلی بار، ایک دَلِت ہندو کو، اپنا صدر بنایا۔ اور:

اس کے منھ میں اپنی زبان رکھ کر، اس سے مسلمانوں کو، قریب لانے کا بیان، دِلایا۔

یہ سوچی سمجھی اسکیم، اور سیاسی حکمتِ عملی ہے۔

بھاجپا کا نظریہ، نہیں، بدلا ہے۔

بلکہ، اس کی، صرف، زبان، بدلی ہے۔

نظریاتی روح، آر، ایس، ایس کی ہے اور جسم، بھاجپا کا ہے۔

روح کے بغیر، جسم کا وجود اور اس کی زندگی، باقی نہیں رہ سکتی۔

اِس حقیقت سے، دنیا کا ہر انسان، واقف ہے۔

عارف بیگ اور سکندر بخت، جیسے سینئر بھاجپائی لیڈر، اپنے انجام کو، پہنچ چکے ہیں۔

مختار عباس نقوی، جیسے ننگِ مسلم، لیڈروں کو، اس انجام سے عبرت، حاصل کرنی چاہیے۔

جس لیڈر کے ساتھ، اس کی قوم، نہ ہو، اس کی سیاسی عمارت، ''ریت محل'' جیسی ہوتی ہے۔

جسے ہوا کا تیز جھونکا، اپنے ساتھ، اُڑا لے جاتا ہے۔ اور اس کے ذرّے، بکھر کر، وُسعتِ صحرا میں، جابجا، منتشر ہوجاتے ہیں۔

چند بدنام اور مفاد پرست لوگوں کو، اپنے ساتھ لے کر، بھاجپا کبھی مسلم ووٹ نہیں پاسکتی۔

حرص وطمع کے اسیر چہروں، اور اپنی دنیاوی غرض کے لئے کسی بھی دروازے پر، دستک دینے اور کسی بھی چوکھٹ کی، جبیں سائی کرنے والوں کو، مسلمان، خوب، جانتے پہچانتے ہیں۔

اور ایسے لوگوں کا انجام بھی، سب کے سامنے ہے کہ:

وہ، گھر کے ہوتے ہیں، نہ گھاٹ کے، ہوتے ہیں۔

بھاجپا کی شاطرانہ پیش کش اور چکنی چپڑی باتیں، مسلمانوں کے حلق سے، اُترنے والی نہیں۔

اس کے نظریات، جگ ظاہر ہیں۔ اس کے سینے میں، آر، ایس، ایس کا دل، دھڑک رہا ہے۔

اس کی عیّارانہ سیاست سے، خوں آشام عزائم اور مَسموم خیالات کا تعفُّن، پھوٹ رہا ہے۔

اس کی صورت، جانی پہچانی، اور اس کا کردار وعمل، جانچا پَرکھا ہے۔

اور ہر دانا وبینا مسلمان، میدانِ زندگی کے اِس آزمودہ نسخے کو، اچھی طرح، جانتا ہے کہ:

آزمودہ را، آزمودن، جَہل ست۔ آزمائے ہوئے کو آزمانا، جہالت ونادانی ہے۔

مسلمانوں کی ہر آبادی اور جیتے جاگتے انسان کے ذہن سے، لمحہ بہ لمحہ، یہ صدا، آرہی ہے کہ:

چھپا کر، آستیں میں بجلیاں، رکھی ہیں گردوں نے
عَنادِل، باغ کے، غافل نہ بیٹھیں، آشیانوں میں

(ماہنامہ کنز الایمان، دہلی۔ شمارۂ رجب وشعبان ۱۴۲۱ھ/نومبر ۲۰۰۰ء۔ وص ۵۴۹۔ تا ص ۵۵۹۔ نقوشِ فکر، مطبوعہ دہلی۔ ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء)

☆☆☆

یٰسٓ اختر مصباحی
دارُالقلم، قادری مسجد روڈ،
ذاکر نگر، جامعہ نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵
09350902937
misbahi786.mk@gmail.com

مؤرخہ
۳۰؍رجب ۱۴۳۷ھ
۸؍مئی ۲۰۱۶ء۔ بروز یک شنبہ